یہ زبان بالکل نامناسب اور مقصد کے منافی ہے، اگر گوہر صاحب اتنی ہی دور کی کوڑی لانا چاہتے تھے، تو انکے لئے توسب سے آسان صورت یہ تھی کہ وہ صرف اس بات کا وعظ کہتے کہ

بنی آدم اعضاے یک دیگر اند   کہ در آدمیت زیک جوہر اند

لیکن چونکہ انکا خیال ہے کہ حضرت آدمؑ سے پہلے بھی ہندوستان میں انسان آباد تھے (حاشیہ ص ۲۴۵) اسلئے یہ وعظ انکو مفید نظر نہ آیا، کاش وہ اپنی ذہانت اور قابلیت کیلئے کوئی مفید شاہراہ عمل اختیار کرتے،

کوہستان کانگڑہ، شائع کردہ دارالاشاعت این ڈبلو ریلوے حقہ ۲۴ پتہ پبلیسٹی بیرو، این، ڈبلو، آر، لاہور،

شمال مغرب کے سرکاری ریلوے نے اہل ذوق اور سیاحت پسند اصحاب کو آمادہ سفر کرنے کیلئے ان مقامات کے متعلق جہاں سے یہ لاین گذرتی ہے مصور حالات شائع کرنا شروع کئے ہیں، اس قسم کی ایک جغرافی تاریخی کتاب پر کچھ دنون پہلے تنقید کی جاچکی ہے، اس رسالہ میں کانگڑہ کی فرحت بخش تاریخی وادی اور کوہستانی علاقہ کا حال لکھا گیا ہے، کانگڑہ کا علاقہ جمالیاتی حیثیت سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے، فن نقاشی میں اسکی اپنی مستقل شاہراہ ہے، رسالہ دلچسپ، پرازمعلومات، اور دلکش تصاویر سے بھرا ہوا ہے، ریل کی سیاحت کے لحاظ سے بھی یہاں کا سفر اپنے اندر بہت کچھ کشش رکھتا ہے،

الہدایات المرضیہ ای ترجمۃ العربیہ، مولفہ مولوی انجب علی صاحب، پتہ کتبخانہ مسجد جامع العلوم کانپور،

رفتار زمانہ کا یہ خوش آیند منظر ہے کہ ہمارے دور دراز کے گوشہ نشین علما کو بھی اس بات کا احساس شروع ہوگیا ہے کہ موجودہ عام نصاب طلبہ میں ادبی لیاقت و ذوق پیدا کرنے میں بے اثر ہے، زیر تنقید رسالہ اسی کمی کی تلافی کے لئے لکھا گیا ہے، اور اسمیں مفردات سے مرکبات تک تدریجی ترقی کی گئی ہے، مگر یہ رسالہ صرف ان لوگوں کیلئے مفید ہو سکتا ہے جن کو قاموس یاد ہو، بہتر ہوتا کہ لائق مولف ہر مشق کی ابتدا میں عربی الفاظ بھی دیدیتے تاکہ صرف ونحو کے قواعد کے ساتھ الفاظ بھی معلوم ہو سکتے،

"ن"

جلد بست و چہارم | ماہ جمادی الاول ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۹ء | عدد ۵

مضامین

شذرات

افسوس ہے کہ اڈیٹر کی علالت کے باعث پچھلے مہینہ شذرات لکھے نہ جاسکے، حالانکہ وقت کے بعض اہم مسائل اظہار راے کے محتاج تھے، اُن احباب کا شکر گذار ہوں جنھون نے عیادت اور پرسش احوال کے خطوط لکھے، گردہ مین ریگ کا یقین، اور قارورہ مین شکر کا شبہہ ہے، بہرحال یہ عوارض اپنے مشاغل کے لازمی نتائج ہین،

الشکر للہ علی کل حال؛

نابالغون کے انسداد نکاح کا قانون، منظوری کی آخری حد سے بھی گذر چکا، اور علما، اور عام مسلمانون کے بڑے طبقہ نے اس کے خلاف سخت احتجاجات کئے، جلسے ہوے، تجویزین ہوئین، وفد گیا، عدم اطاعت قانون کا اعلان بھی ہوچکا، یہ گرماگرمی اور ہماہمی مبارک، لیکن کہنا یہ ہے کہ اگر مسلمانون کو اس قانون سے ایسی ہی بیزاری تھی تو وہ کون مسلمان ممبر تھا جس نے اُس قانون کو جو صرف ہندؤن کے لیے پیش ہوا تھا، اپنے اوپر عاید کرنے کی خواہش کی، اگر مسلمانون کی مرضی کے خلاف یہ تجویز تھی تو چاہیے تھا کہ نہ تو کوئی مسلمان اسکا محرک ہوتا، نہ کوئی مسلمان اسکی تحقیقاتی کمیٹی کا رکن بنتا، اور نہ کوئی مسلمان، عالم ہو یا غیر عالم اُس کمیٹی کے سامنے شہادت کے لیے حاضر ہوتا، اور شروع ہی سے ہر طرف سے مسلمان اسکا پورا مقاطعہ کرتے کہ تحقیقات کا جو بھی نتیجہ نکلتا مسلمانون کو اُس کی حاجت نہ تھی،

جب قانون کا ابتدائی مسودہ پیش ہوا ہے، **معارف** نے اُسی دن سے موجودہ صورت مین اسکی مخالفت کی، اور نہ صرف مسودہ کی بلکہ ان لوگون کی تحریرون کی پرزور بدلائل تردید کی جنھون نے مسودہ کی

...کے لیے فقہ اسلامی مین بھی تحریف کی کوشش کی، اور اپنے مضامین مین نکاح نابالغہ کو ناجائز بتایا تھا، پھر زور استدلال مین حضرت عائشہؓ کی نابالغی کی عمر نکاح سے بھی انکار کر دیا تھا، بلکہ اس سلسلہ مین اہل بیت کی گالیون تک معاملہ پہنچ چکا، ایک حرف بھی اگر پبلک مین آتا تو ایک ہنگامہ برپا ہوجاتا، مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز، کیا پیغام صلح اپنے پیغام جنگ سے اب بھی باز آئیگا،

معارف نے اپریل ۱۹۲۸ء کے شذرات مین لکھا تھا:

"اسی بے اعتدالی کی ایک مثال یہ ہے، کہ آجکل ہندوستان کی مجلس آئین مین کمسنون کی شادی کے انسداد اور بلوغ کی مدت کے تعین کا مسودہ قانون پیش ہوا ہے، ہم جانتے ہین کہ اس مسودہ قانون کے پیش کرنے والون کی نیت اچھی ہے، اور ملک کی ایک معاشرتی اصلاح کی طرف یہ مبارک قدم ہے، لیکن کسی ایسی معاشرتی اصلاح کو جو بعض حالات مین انسانون کے لئے رحمت کے بجاے زحمت کا موجب ہوسکتی ہے کسی غیر سلطنت کی قوت سے جاری کرنا ملک کی اخلاقی طاقت کے زوال کے راز کو نمایان کر رہا ہے، بعض خاص حالات کو مستثنی کر کے عموماً کمسنی کی شادی اور خصوصاً وہ شادی جو باپ کے علاوہ دوسرے اولیا اپنی سرپرستی مین انجام دیتے ہین، قابل روک تھام کے لائق ہے، مگر یہ یاد رہے کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہماری معاشرت، ہمارے اخلاق، ہمارے تمدن اور ہمارے مذہب ہر ایک سے متعلق ہے، ایسے مختلف پہلوؤن سے تعلق رکھنے والی اصلاحون کا غیر قومی سلطنتون کے ذریعہ سے اصلاح کا مطالبہ گویا اس سلطنت کو آیندہ اپنی معاشرت، اپنے اخلاق، اپنے تمدن، اور اپنے مذہب ...کرنے کی خود ترغیب دینا ہے، کیا اسکے لیے آپ تیار ہین؟"

اسکے بعد تھا:

"جہانتک مسلمانون کا تعلق ہے ان کا قانون اس باب مین بجاے خود کامل ہے، ان کو اپنے قانون مین کسی

خارجی اصلاح وتکمیل کی ضرورت نہین، اور نہ ایسے مسودۂ قانون کی اُن کو حاجت ہے، جو اُن کے مذہبی قانون
کو کم اور زیادہ کرے، اگر ان کو کمسنی کی شادی کے رواج کو کم کرنے کی ضرورت ہو تو وہ یہ کام علماء، واعظین
انجمنون، اور رسالون اور اخبارون سے لے سکتے ہین، گو یہ راستہ دیر طلب ہے، مگر خطرات سے پاک ہے،

اس کے بعد پھر جولائی ۱۹۲۸ء کے شذرات اور مقالہ مین، پھر جنوری اور فروری ۱۹۲۹ء کے شذرات اور مقالہ
اس پر بحثین جاری رہین، ہم نے اُسی زمانہ مین بعض علماء اور مسلمان اخبارون کو اس فتنہ کی روک تھام کی طرف
توجہ دلائی، مگر چونکہ پبلک مین جوش وہیجان نہ تھا، اسلیے ادھر توجہ کی ضرورت نہ سمجھی گئی، اور بالآخر وہ
وقت آیا جب اخبارات کے صفحے اس بحث کے لیے خالی کرنے پڑے،

میرا مسلک اس مسئلہ مین یکسان اور بالکل صاف ہے، نابالغون کا نکاح میرے نزدیک
لیکن بعض خاص حالتون کو چھوڑ کر عام طور سے قرآن پاک اور احادیث کے اشارات یہ ظاہر کرتے ہین
کی حالت مین بلا کسی خاص سبب کے نکاح کرنا مناسب نہین، فروری ۱۹۲۹ء کے مضمون (نوشتہ مولوی ریاست
مین اسکے وجوہ دیدیئے گئے ہین، اسی زمانہ مین میرے اور مولوی محمد یعقوب صاحب نائب صدر مجلس آئین
نکاح نابالغہ کے درمیان مراسلات جاری رہے، مین نے اُن کو یہی لکھا کہ میرے نزدیک نکاح نابالغہ جائز
مین مستحسن نہین (افسوس ہو کہ انگریزی ترجمہ مین غیر مستحسن کا ترجمہ قابل نفرت کر دیا گیا ہو، جو صحیح نہین) اور قرآن و حدیث
وجوہ لکھے، پھر احمدی جماعت کو ہم خیال بنانے کیلئے خود مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کو ایک خط
نقطۂ نظر ان کے سامنے پیش کیا، انھون نے جواب دیا کہ اُن کے اصل انگریزی مضمون مین "عدم جواز" کا لفظ نہین،

بہرحال سوال یہ پیش تھا کہ یہ قانون کی صورت مین شرعاً پیش کیا جا سکتا ہو یا نہین، اس سے پہلے یہ خاکسار

ہندوستان کے چند مشاہیر علماء یوپی کونسل کی مقرر کردہ مجلس نکاح وطلاق کے ممبر تھے، اسمین یہ بحث تھی کہ نکاح وطلاق کی
[illegible] مسلمانون کے مقدمات ومعاملات کے مصالح کے لیے مناسب تو ہو، مگر کیا اس قانون کو جبری بھی کر سکتے ہین یا نہین،
[illegible] اس کے جبری کرنے کے حامی تھے، ایک اہل حدیث عالم ممبر بھی اُن کے ساتھ تھے، شیعہ علماء بالکل مخالف تھے،
[illegible] علماء بریلی کے نمایندہ گو مگو کے بعد بھی مخالف رہے، باقی مولانا کفایت اللہ صاحب مولانا قطب الدین عبد الوالی
[illegible] فرنگی محلی اور خاکسار نے علحدہ رپورٹ لکھی جسمین یہ اصول سامنے رکھا کہ اس قسم کی اصلاحات کا حق امام اور خلیفۂ
[illegible] اسلامیہ کو ہو، لیکن غیر اسلامی حکومتون مین مناسب اصلاحات کو قانوناً نافذ کرنے کی صورت یہی ہے کہ حنفی تصریحات
[illegible] مسلمان والی یا قاضی اگر غیر اسلامی سلطنت کی طرف سے مقرر ہو تو اُس کے حکم سے یہ اصلاحات جاری ہو سکتی
[illegible] اور تعزیرات قبول کیجا سکتی ہین، چنانچہ اسی اصول کے تحت مین یہ رپورٹ لکھی گئی، اور ہم تینون نے دستخط کیے،

اب جب یہ سارداِبل سامنے آیا تو مین نے اسی اصول کی نظر سے اسکو دیکھا، اور جناب مولانا کفایت اللہ صاحب کو خط لکھ کر
[illegible] خیال سے مطلع کر دیا اور اسی اصول کے تحت مین مولوی محمد یعقوب صاحب کے جواب مین لکھا کہ دو شرطون کیساتھ اس قانون
[illegible] ہم موافقت کر سکتے ہین :-
۱- نفس نکاح عدم بلوغ کے جواز، اور اسکے لوازم ولدیت، ترکہ اور وراثت وغیرہ کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے،
۲- ہندوستان مین ایک قضارت اسلامیہ ہو، اور اس کے ذریعہ سے یہ قانون آئے،
مجلس نے پہلی دفعہ تو قبول کی، مگر دوسری نہین،

اس گذارش کا خلاصہ یہ ہو کہ کسی اسلامی قانون مین کسی قسم کی کمی بیشی خواہ وہ اصلاح ہی کیون نہو، اور نیک نیتی
[illegible] ہو، ہم اسکو کسی غیر اسلامی سلطنت کے حکم، اور کسی ایسی مجلس کی اکثریت سے جو مسلمان نہو، ہم اپنی مرضی سے منظور نہ کرینگے
اور اس اصول کی خاطر ہر طرح لڑنا ہمارا حق ہے،

لیکن ایک سوال نہایت اہم ہے، کہ موجودہ حالتِ محکومی مین بلکہ خوش آیند عہدِ سوراج مین بھی مسلمانون کی
مذہبی اصلاحات، اور مسلمانون کے ملکی و زمانی مصالح کی حفاظت کیلئے مکروہ و مباح و مستحسن امور مین، یا اُن
اسلام نے تعزیر یا وضعِ قانون یا فیصلہ کا حکم امام و امیر کو دیا ہے، تعزیر و وضع قانون کی جائز صورت کیا ہو سکتی
جہان سوراج کے لیے لڑ رہے ہین، مسلمانون کو اور خصوصاً سیاسی علما و علمِ سیاسیین کو اسپر غور کرنا اور اسکے لیے راہ نکالنا
ضروری ہے، اور جبتک اسکی راہ نہ نکلیگی مسلمانون کا قومی و مذہبی نظام اس ملک مین نہ محفوظ ہے، نہ قابلِ ترقی ہے
بہتر ہو کہ آج مسلمان جہان نہرو رپورٹ، اور سوراج مین متعدد دفعات کا مطالبہ کرتے ہین، اُن کا یہ مطالبہ بھی ہو
حکومت مین مسلمانون کے خالص مذہبی اور شخصی قوانین کی حفاظت، ترقی اصلاح، اور استحکام کے لیے اُن کا
نظام منظور کیا جاے، اور اس کے لیے ایک قابلِ عمل تجویز کا خاکہ بنا کر پیش کیا جاے،

جمعیۃ العلماء کلکتہ کے خطبۂ صدارت مین اس خطرہ کی طرف مین نے حضرات علماء کو متوجہ کیا تھا،

"ہندوستان کے ہر طبقہ کے مسلمانون کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ آیندہ ہندوستان کی جو شکل و
صورت بھی ہو بہرحال یہان کی حکومت اسلامی نہ ہوگی، بہتر سے بہتر جو صورت خیال مین آسکتی ہے، وہ ایک
متحدہ جمہوریت کی ہے، اسلیے ہر حال مین مسلمانون کے لیے ضروری ہوگا کہ اپنے قومی و مذہبی ضروریات کے
آپ کفیل ہون، اور یہی ضرورت بعینہ اس وقت بھی ہے، مسلمانون کی اسلامی و مذہبی تعلیم اُن کے مدرسے
اُنکی مسجدین اُن کے اوقاف اُن کے نکاح و طلاق و وراثت وغیرہ کے قوانین و مسائل خاص محکمون
کے محتاج ہین اور آیندہ رہینگے۔ . . . .

علیٰ ہذا القیاس اسی کے ماتحت نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ کے محکمے ہون، دار الافتا ہون، جہان سے
جدید ضروریات کے متعلق فتوے صادر ہون،

(ص ۵۳ و ۵۴)

اس سلسلہ مین مولانا عمر دراز بیگ صاحب مرادآبادی نے ایک مضمون چھپوایا ہے جسمین یہ تحریک کی ہے کہ
مجلس آئین مین اب علماء بھی ممبر ہون، لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ قانون انتخاب کے مطابق غریب علماء کھڑے
بھی ہو سکتے ہین؟ پھر کیا اس صورت حال پر غور کیا جا سکتا ہے کہ مجلس آئین کیساتھ خاص مذہبی امور و مسائل و اصلاحات
کیلئے مسلمان ارکان اور علماء کی ایک الگ مجلس ہو، اور اس کے فیصل کردہ قوانین و فتاوی حکومت کی منظوری کے
بعد نافذ العمل ہون،

مسلمان ڈرتے کیون ہین، وہ اپنا نظامنامہ خود بنا کر اس وقت کیون پیش نہین کرتے، جمعیۃ العلماء اس
طرف کیون قدم نہین بڑھاتی، اور اسکے قبول و منظوری کے لیے پوری کوشش اور جد و جہد نہین کرتی، اور اسکے لیے
مسلمان پبلک کو آمادہ نہین کرتی، آسمان کو دیکھکر موسم کے انقلاب کی پیشینگوئی اگر جائز ہے تو موجودہ حالات
کو دیکھکر مجھے یقین ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی تدبیر اختیار نہین کی گئی تو مسلمانون کی ممتاز ہستی اس ملک مین
قائم نہین رہ سکتی،

یہ وقت صرف ہنگامی شور و غل کا نہین اصول پر زور دینے کا ہے، ہماری حالت اُس دائم المرض بیمار کی ہے
جسکو دورہ کی بیماری ہو، کہ جب دورہ پڑتا ہے تو ہاے و ہو سب کچھ ہے، اور جب اس مین تخفیف ہو گئی، تو
پھر اپنی صحت سے تغافل ہے، ایسا بیمار کیا اچھا ہو سکتا ہے؟

اوپر کی سطرون کی سیاہی خشک نہین ہوئی تھی کہ ۱۲ نومبر کو روزنامہ ملت آیا، مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت بہار کی اسی قسم
کی تجویز نظر سے گذری، حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلمان ارکین مجلس آئین اور دوسرے معتدل سیاسیین اس قسم کے کسی اسلامی
نظام کو منظور کرا دین، تو بڑی بات ہو،

مقالات

اسلام اور یورپین لباس وتمدن

از

مولانا عبدالسلام صاحب ندوی،

"ابھی ستمبر کے معارف مین ناظرین نے یورپین لباس اور اسلام پر جناب اثر رامپوری صاحب کا ایک محققانہ مضمون پڑھا ہوگا، جہان تک فقہی احکام کا تعلق ہے مضمون مذکور نتائج کے لحاظ سے صحیح تھا، مگر جہان تک مصالح شرعی کا تعلق ہے، وہ بہت حد تک احتیاط کے حدود سے متجاوز تھا اور خصوصاً زمانہ لباس کے متعلق اسمین کوئی اشارہ بھی موجود نہ تھا،

قومی استقلال وتحفظ کا اولین اصول یہ ہے کہ کسی قوم کے اخلاق ومعاشرت مین غیر قومون کے آداب ورسوم کی آمیزش نہونے پائے، اگرچہ بظاہر بہ نگاہ مین اس اصول کو تعصب تنگدلی، اور عدم رواداری پر محمول کرتی ہین، لیکن دنیا کی متعدد قومین اسی اصول کی خلاف ورزی سے تباہ ہوئین، اور اس تباہی کی بنا پر فرانس کے مشہور فلاسفر اور تمدنی مورخ ڈاکٹر گستاولی بان کے نزدیک

"قومون کا زوال اجنبی قومون کے اختلاط کا نتیجہ ہوتا ہے، اسلیے جو قوم ان قومون سے الگ تھلگ رہیگی وہی اپنے آپ کو اس تنزل سے محفوظ رکھیگی اور اپنی وحدت اور قوت کا تحفظ کریگی۔[1]"

[1] انقلاب الامم،

لیکن اختلاط وامتزاج کا یہ جذبہ صرف اُن تنزل یافتہ قومون مین پیدا ہوتا ہے جنکو دنیا کی دوسری متمدن قومین اپنی تمدنی خصوصیات کی نمایش سے مسحور کرکے اپنے اندر جذب کرلینے کی طاقت رکھتی ہین، اسلیے قومون کے تمدنی آداب ورسوم کے قائم کرنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ قومون کی مابہ الامتیاز تمدنی خصوصیات کیونکر پیدا ہوتی ہین؛ تمدنی ترقی کے زمانہ مین جو ساز وسامان پیدا ہوجاتے ہین، اُن مین بہت سی چیزین تمام قومون مین مشترک ہوتی ہین اور ان کے استعمال سے کسی قوم مین کوئی مابہ الامتیاز خصوصیت نہین پیدا ہوتی مثلاً جدید مصنوعات مین سیکڑون چیزین ایسی ہین جو یورپ سے بنکر آتی ہین، اور دنیا کی تمام قومین ان کو استعمال کرتی ہین، لیکن یہ ایسی چیزین ہین جو کسی قوم کے مختصات مین شمار نہین کیجاتین، اسلیے ہر قوم ان کو استعمال کرسکتی ہے اور ان کے استعمال سے اس کی قومی خصوصیات کو کوئی صدمہ نہین پہنچتا،

اس کے بخلاف تمدنی ضروریات کی بہت سی چیزین ایسی ہین جنسے ایک خاص قومی شعار قائم ہوتا ہے اور ان کے استعمال سے قومون کے درمیان امتیازی خصوصیتین پیدا ہوتی ہین، مثلاً کوٹ، پتلون، ہیٹ اور ٹائی وغیرہ ایسی چیزین ہین، جو انگریزی قوم کا مخصوص لباس ہین، جنکے استعمال سے ایک خاص شانِ امتیاز پیدا ہوجاتی ہے جسکو اس زمانہ کی اصطلاح مین "تفرنج" سے تعبیر کیا جاتا ہے،

دورِ رسالت مین جو چیزین وضع ولباس اور طرزِ معاشرت سے تعلق رکھتی تھین، اُن مین بھی یہی دونون تفریقین قائم تھین، یعنی بہت سی چیزین ایسی تھین جنکا استعمال اگرچہ اور قومین بھی کرتی تھین، لیکن اُن کے استعمال سے اُن مین کوئی مابہ الامتیاز خصوصیت نہین پیدا ہوتی تھی، اس بنا پر رسول اللہ صلعم نے ان کو ممنوع نہین قرار دیا، بلکہ کبھی کبھی خود ان کو استعمال فرمایا، چنانچہ مختلف حدیثون سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے شامی اور رومی جبہ، اور نوشیروانی قبا کا استعمال فرمایا ہے، اور بعض اوقات قیمتی کپڑے زیب تن کیے ہین، اس کے بخلاف بہت سی چیزین ایسی تھین جنکے استعمال سے قومی خصوصیتین پیدا ہوتی تھین، اسلیے آپ نے مسلمانون کے لیے اُن کو ناجائز کیا اور اُن کے استعمال کی ممانعت فرمائی، لیکن اسکی توضیح کے لیے ہمکو سب سے

پہلے یہ دیکھنا چاہیے، کہ دورِ رسالت مین اہل عرب پر اس قسم کا تمدنی اثر دنیا کی کون کون سی قومین ڈال سکتی تھین؛ اور ان کی مابہ الامتیاز خصوصیتین کیا تھین؟

عرب کے پہلو مین روم اور ایران کی دو متمدن سلطنتین قائم تھین اور دونون کی دونون عیش ونشاط کے نشے مین چور تھین اختراعات وایجادات نے طرزِ معاشرت مین نہایت لطافت ونفاست پیدا کردی تھی، اور قصر، حمام، باغ، اصطبل اور حشم وخدم بادشاہون سے لیکر امراء وعمال تک کی زندگی کا لازمی جزو ہوگئے تھے، اور ان کا اثر صرف معاشرتی زندگی تک محدود نہ تھا بلکہ نظامِ اخلاق اور نظامِ حکومت تک متعدی ہوگیا تھا، کیونکہ سلاطین وعمال کے مصارف کا بار تمامتر سرکاری خزانے پر تھا، اور سرکاری خزانہ یہ بار اسوقت اٹھا سکتا تھا جب محاصل مین اضافہ کیا جاے، اسلیے ان مصارف کے پورے کرنے کے لیے ٹکس اور مالگذاری مین غیر معمولی اضافے کردیے گئے تھے جو نہایت ظالمانہ طریقون سے وصول کیے جاتے تھے جس نے نظامِ اخلاق اور نظامِ حکومت دونون کو تباہ کردیا تھا اور تمام ملک کی مادی اور اخلاقی طاقتین نہایت خودغرضانہ طریقون سے انھی ظاہری نمائشون پر صرف کیجاتی تھین، ان ممالک مین طبقاتِ انسانی کے جو مختلف مدارج قائم ہوگئے تھے وہ زیادہ تر اسی طرزِ معاشرت کا نتیجہ تھے،

یہ دونون سلطنتین عرب کے پہلو مین قائم تھین، اور اہل عرب کے تمدن، اخلاق اور معاشرت پر انھی دونون کا اثر پڑتا تھا چنانچہ صحیح بخاری کتاب النکاح مین ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ رسول اللہ صلعم کی خدمت مین حاضر ہوے تو دیکھا کہ آپ کھری چارپائی پر لیٹے ہوے ہین، اور پہلوے مبارک مین بان کے اثر سے بدھیان پڑگئی ہین، گھر مین ادھر اودھر نگاہ دوڑائی تو چند کھالون کے سوا کچھ نظر نہین آیا، ان کے دل پر اس بے سروسامانی کا اثر پڑا اور آپ سے کہا کہ یا رسول اللہ! دعا فرمائیے کہ خدا آپ کی امت کو بھی فارغ البال کرے کیونکہ ایرانیون اور رومیون کو فارغ البالی حاصل ہے، اور ان کو دنیا دیدی گئی ہے، حالانکہ وہ خدا کی عبادت نہین کرتے، آپ دفعتہً اٹھ بیٹھے اور فرمایا، کیون ابن خطاب تم ایسا کہتے ہو؟ وہ لوگ ایک ایسی قوم ہین

جنکی مرغوب چیزین انھین دنیا ہی مین ملگئی ہین، اب حضرت عمرؓ نے آپ سے استغفار کی درخواست کی، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین اس درخواست کی متعدد وجھین بتائی ہین،

ای عن جراتی بھذا القول بحضرتک او عن اعتقادی ان التجملات الدنیویۃ مرغوب فیھا او عن ارادتی مافیہ مشابھۃ الکفار فی ملابسھم ومعائشھم،

یا تو یہ کہ مین نے آپ کے سامنے ایسا کہنے کی جرأت کی یا یہ کہ میرا یہ اعتقاد تھا کہ دنیوی آرائشین مرغوب چیزین ہین یا یہ کہ مین نے ایسا ارادہ کیا جس سے لباس وطرزِ معاشرت مین کفار کی مشابہت لازم آتی تھی،

لیکن ہمارے نزدیک اس تنقیح کی ضرورت نہین ہے، بلکہ مجموعی طور پر یہ تمام وجوہ استغفار کا سبب ہوسکتے ہین بہرحال اس عام ممانعت کے ساتھ ایرانیون اور رومیون کی طرزِ معاشرت مین جو چیزین نہایت نمایان تھین اور وہی ان کی امتیازی خصوصیات مین داخل تھین، رسول اللہ صلعم نے ان الفاظ مین خصوصیت کیساتھ انکی ممانعت فرمائی،

لا تلبسوا الحریر والدیباج ولا تشربوا فی آنیۃ الذھب والفضۃ ولا تاکلوا فی صحافھا فانھا لھم فی الدنیا

حریر اور دیبا نہ پہنو چاندی اور سونے کے برتنون مین نہ پانی پیو، نہ کھانا کھاؤ کیونکہ یہ چیزین ان لوگون کو (یعنی رومیون اور ایرانیون کو) صرف دنیا مین ملی ہین،

احادیث مین حریر ودیبا کے علاوہ اور بھی مختلف قیمتی اور رنگین کپڑون کے نام آئے ہین مثلاً استبرق، میثرہ اور قسی وغیرہ، اور ان کی ممانعت کیگئی ہے، اگرچہ بعض اوقات رسول اللہ صلعم کی خدمت مین اس قسم کے قیمتی کپڑے ہدیۃً پیش کیے گیے ہین، اور آپ نے خوش خلقی یا اور کسی وجہ سے ان کو استعمال بھی فرمالیا ہے، لیکن بعد کو ان کا استعمال ترک فرمایا ہے، اور صحابہ کرام کو بھی ان کے استعمال کرنے کی اجازت نہین دی ہے، مثلاً ایک بار آپ کی خدمت مین شاہ روم نے سندس کا ایک لبادہ ہدیۃً بھیجا اور آپ نے اس کو پہن لیا، لیکن بعد مین اس کو حضرت جعفرؓ کے پاس بھیجدیا، لیکن وہ اس کو پہنکر خدمت مبارک مین حاضر ہوے

تو فرمایا کہ "مین نے تمھین اس لیے نہین دیا ہے کہ تم اُس کو استعمال کرو" انھون نے کہا "تو پھر مین اسکو کیا کرون"؟ ارشاد ہوا کہ "اپنے بھائی نجاشی کے پاس بھیجدو"[1]

بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ آپ کی خدمت مین اس قسم کے قیمتی کپڑے آئے ہین، لیکن آپ نے خود اُن کو استعمال نہین فرمایا ہے، بلکہ دوسرے صحابہ کو دیدیا ہے، تاہم ان کو بھی استعمال کرنے کی اجازت نہین دی ہے، چنانچہ ابوداؤد مین اس قسم کی متعدد روایتین نقل کی ہین، مثلاً ایک روایت مین ہے کہ آنحضرت صلعم کے پاس ایک قیمتی جوڑا ہدیۃً آیا اور آپ نے اسکو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس بھیجدیا، وہ اُس کو پہنکر حاضر خدمت ہوے تو برہم ہوکر فرمایا کہ "مینے اسکو تمھارے پہننے کے لیے نہین بھیجا تھا" چنانچہ آپ کے حکم سے انھون نے اُسکو عورتون مین تقسیم کردیا،

دوسری روایت مین ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسی قسم کا ایک جوڑا فروخت ہوتے ہوے دیکھا تو آپ کی خدمت مین حاضر ہوکر عرض کیا کہ آپ اسکو خرید لیجئے اور جمعہ کے دن اور وفود کے آنے کے وقت استعمال فرمائیے ارشاد ہوا "اسکو تو وہ لوگ پہنتے ہین جنکا آخرت مین کوئی حصہ نہین ہوتا" اس کے بعد آپ کے پاس اسی قسم کے متعدد جوڑے آئے جنمین سے آپ نے ایک جوڑا حضرت عمرؓ کو عنایت فرمایا، انھون نے عرض کیا کہ آپ مجھے یہ جوڑا پہناتے ہین، حالانکہ اس جوڑے کے متعلق آپ کچھ اور ارشاد فرما چکے ہین" فرمایا کہ "مین نے تم کو پہننے کے لیے نہین دیا ہے" چنانچہ انھون نے اپنے ایک مشرک بھائی کو جو مکہ مین رہتا تھا دیدیا، انہی تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ جب حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین عجمی ممالک مفتوح ہوے اور مسلمانون اور عجمیون مین اختلاط شروع ہوا تو انھون نے عمال کو ان احکام کی طرف تاکید کے ساتھ توجہ دلائی، اور آذربائیجان کے عامل حضرت عتبہ ابن فرقدؓ کو لکھا کہ

وایاکم والتنعم وزی اہل الشرک ولبوس الحریر — اور عیش پرستی اہل شرک کی وضع اور حریر پہننے سے احتراز کرو

[1] ابوداؤد کتاب اللباس،

فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن لبوس الحریر (مسلم کتاب اللباس والزینۃ) — کیونکہ رسول اللہ صلعم نے حریر پہننے کی ممانعت فرمائی ہے،

مقام جابیہ مین انھون نے جو خطبہ دیا اُس مین بھی رسول اللہ صلعم کے انہی ارشادات کی بنا پر حریر کے استعمال کی ممانعت فرمائی، اور حضرت عمرؓ کے بعد بھی یہ چیزین اسی طرح قابل اعتراض رہین، چنانچہ ایک بار مقدام بن معدی کرب حضرت امیر معاویہؓ کے دربار مین آئے اور اُن سے کہا کہ "مین کچھ کہنا چاہتا ہون، اگر سچ ہو تو تصدیق اور جھوٹ ہو تو اسکی تکذیب کردیجئے گا" امیر معاویہ نے اجازت دی تو انھون نے کہا کہ "مین آپ کو خدا کی قسم دلاکر کہتا ہون کہ کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم نے حریر کے لباس سے منع فرمایا ہے؟ کیا آپ نے یہ سنا ہے کہ آپ نے سونے کے استعمال کی ممانعت فرمائی ہے؟ کیا آپ اس سے واقف ہین کہ آپ نے درندہ جانورون کی کھال کے لباس اور فرش سے منع کیا ہے؟" امیر معاویہ نے ان تمام باتون کا اقرار کیا تو انھون نے کہا کہ "مجھے آپ کے مکان مین یہ کل چیزین نظر آتی ہین"[1]

ان تمام تصریحات کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عجمیون کے مخصوص لباس یعنی حریر، دیبا اور اس قسم کے دوسرے کپڑون کی ممانعت کی اصلی وجہ کیا ہے؟ جن حدیثون مین ان کی ممانعت کیگئی ہے، وہان اس ممانعت کی حکمت اور مصلحت نہین بتائی گئی ہے، اس بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب نے اسکو تشریعی حکم قرار دیا ہے، یعنی شریعت مین ان کپڑون کی ممانعت کا جو حکم آیا ہے، وہ ان کی عین ذات سے متعلق ہے، اور عین ذات کے حرام ہوجانے کے بعد انکی حلت وحرمت پر مصالح کے عدم و وجود کا کوئی اثر نہین پڑتا چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ مین جہان مصالح وشرائع کا باہمی فرق بیان کیا ہے وہان لکھتے ہین :-

"اسی طرح اگر کسی نے خلوت مین حریر اور سونا پہنا جہان فقراء کی دلشکنی اور لوگون کو بہت زیادہ دنیا طلبی پر آمادہ کرنے کا احتمال نہین ہے، اور اس سے اس کا مقصد عیش پرستی نہین ہے، تب بھی وہ گنہگار

[1] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی جلود النمور،

ہوگا، اسی طرح اگر کسی نے دوا ازشراب پی اور اس سے نہ کوئی خرابی پیدا ہوئی نہ نماز چھوٹی تب بھی وہ
گنہگار ہوگا کیونکہ خدا کی رضامندی اور ناراضی عین ان اشیاء سے متعلق ہوئی ہین،
اگرچہ اصلی غرض لوگون کو مفاسد سے روکنا اور مصالح پر آمادہ کرنا ہے، لیکن خدا کو یہ معلوم تھا کہ
اس وقت امت کی سیاست صرف ان اشیاء کی ایجاب وتحریم ہی سے ہوسکتی ہے، اس لیے خدا کی
رضامندی اور ناراضی نفس ان اشیاء کی طرف متوجہ ہوئی، اور یہ ملاء اعلیٰ مین لکھ لیا گیا، بہ خلاف
اس صورت کے کہ ایک شخص نے ایک ایسا عمدہ اونی کپڑا پہنا جو حریر سے زیادہ بہتر اور زیادہ قیمتی
ہے یا یاقوت کے برتن استعمال کئے تو اس صورت مین نفس اس فعل سے گنہگار نہ ہوگا، لیکن اگر فقراء
کی دلشکنی ہو جائے، اور لوگون کو اس کے پہننے کی ترغیب ہو یا اس کا مقصد عیش پرستی ہو تو وہ
ان مفاسد کی بنا پر خدا کی رحمت سے دور ہوجائیگا، ورنہ نہین،

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طرز عمل سے بھی شرائع ومصالح کا یہ فرق صاف نظر آتا ہے،
حضرت عمرؓ ایک حلہ سیرا فروخت ہوتے ہوے دیکھتے ہین اور آپ کو اس کے خریدنے کی ترغیب دیتے ہین کہ جمعہ
کے دن اور وفود کی ملاقات کے وقت استعمال فرمائین، لیکن ارشاد ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ پہنتے ہین جنکا
آخرت مین کوئی حصہ نہین، اسی طرح آپ ان کو اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس قسم کا حلہ عطا فرماتے ہین،
اور اس کے استعمال کی اجازت نہین دیتے، بعض اوقات خود دیبا کی قبا استعمال فرمالیتے ہین، پھر اتار کر
پھینک دیتے ہین، اور ارشاد ہوتا ہے کہ جبرئیل نے مجھکو اس سے منع کردیا، کیونکہ اس طرز عمل سے آپکو
صرف اس تشریعی حکم کا اعلان مقصود تھا جس کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ نے ان کپڑون کی عین ذات
کو حرام کردیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ رہبانیت بھی اختیار نہین فرماتے، بلکہ کبھی کبھی عمدہ لباس بھی استعمال
فرماتے ہین، اور جب صحابہ کرام پر اس قسم کے لباس کے استعمال کرنے پر اعتراض کیا جاتا ہے تو وہ آپ کے
اسی طرز عمل کو سند مین پیش کرتے ہین، اور کہتے ہین،

ما تعیبون علی لقد رایت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن ما یکون من الحلل — مجھ پر تم لوگ کیا اعتراض کرتے ہو، مینے خود رسول اللہ صلعم کے بدن پر بہترین جوڑے دیکھے ہین،

اور جب آپ سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ عمدہ لباس پہننا اور عمدہ جوتا استعمال کرنا غرور مین تو داخل نہین،
تو ارشاد ہوتا ہے کہ خدا جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، غرور صرف لوگون کی تحقیر کا نام ہے، ایک دولتمند صحابی
کو معمولی کپڑے پہنے ہوے دیکھتے ہین تو فرماتے ہین کہ "ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ" یعنی
خدا کو یہ بات پسند ہے کہ اسکی نعمت کا اثر بندہ پر نظر آئے، ایک پراگندہ مو شخص نظر آتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے
کہ اس کو ایسی چیز نہین ملتی جس سے بالون کو درست کرے، کیونکہ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ خوش لباسی
بذات خود تشریعی طور پر ممنوع نہین ہے، البتہ بعض حالتون مین اخلاقی مصالح کی بنا پر اسکو ممنوع کیا جاسکتا
ہے، لیکن ایک متوسط درجہ کے وضع ولباس سے ان مصالح کو کوئی صدمہ نہین پہنچتا، بلکہ اس سے تہذیب
وشایستگی پیدا ہوتی ہے، لیکن اس کا فیصلہ کرنا کہ کن موقعون پر خوش لباسی سے ان مصالح کو صدمہ پہنچتا ہے
اور کن موقعون پر نہین پہنچتا، محض ذوق سلیم کا کام ہے، رسول اللہ صلعم نے جن موقعون پر عمدہ کپڑے
استعمال فرمائے ہین، یا جن موقعون پر ان کے استعمال کرنے کی ہدایت فرمائی ہے، یہ وہی مواقع ہین،
جہان اخلاقی مصالح کو کوئی صدمہ نہین پہنچتا، یعنی اس سے نہ تو فقراء کی دلشکنی ہوتی، نہ لوگون مین زیب
وزینت کا بیجا شوق پیدا ہوتا، نہ اس کا مقصد عیش پسندی ہوتا، بہر حال جو کپڑے تشریعًا ممنوع ہین، انکے
علاوہ اور تمام کپڑے ان مواقع پر جہان ان مصالح کو صدمہ نہین پہنچتا بلکہ اس سے تہذیب وشایستگی
پیدا ہوتی ہے، بے تکلف استعمال کئے جاسکتے ہین، بلکہ بعض موقعون پر ان کا استعمال نہ کرنا ہی قابل اعتراض
ہوجاتا ہے، چنانچہ ادب المفرد مین ہے کہ ایک بار عبدالکریم ابو امیہ ابو العالیہ کے یہان اون کے کپڑے پہنکر آئے
تو انھون نے کہا کہ "یہ تو راہبون کے کپڑے ہین، مسلمانون کا تو یہ طریقہ تھا کہ جب ملاقات کو جاتے تھے تو عمدہ
کپڑے پہن لیتے تھے[1]"

[1] ادب المفرد صفحہ ۱۶۹

عید، بقر عید اور تقریبات کے موقع پر جو عمدہ کپڑے پہنے جاتے ہین وہ بھی اسی قسم مین داخل ہین لیکن باایں ہمہ بہت سے مواقع پر اس قسم کے حلل فاخرہ سے ترفہ اور خود نمائی مقصود ہوتی ہے، اور اسی ترفہ اور خودنمائی کے مٹانے کے لیے شریعت نے بہت زیادہ زیبایش اور آرایش کی بھی ممانعت کی ہے، چنانچہ ایک بار صحابۂ کرام نے آپ کی خدمت مین دنیا کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا "کیا تم لوگ نہین سنتے؟ کیا تم لوگ نہین سنتے؟ پھٹے حال مین رہنا ایمان کا ایک جزو ہے، پھٹے حال مین رہنا ایمان کا ایک جزو ہے" اور یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ عین اس حالت مین جبکہ وہ عیش و تنعم کی زندگی نہایت آسانی کے ساتھ بسر کرتے تھے، اسی پھٹے حال مین رہتے تھے، چنانچہ ایک بار مصر کے گورنر حضرت فضالہ بن عبیدؓ کے پاس ایک صحابی آئے تو کہا کہ "آپ پراگندہ مو کیون ہین؟ حالانکہ آپ اس ملک کے گورنر ہین؟" بولے کہ "رسول اللہ صلعم ہم لوگون کو بہت زیادہ عیش و تنعم سے منع فرماتے تھے" پھر کہا کہ "آپ کے پاؤن مین جوتا کیون نہین ہے؟" بولے "آپ ہم لوگون کو کبھی کبھی برہنہ پا رہنے کا حکم دیا کرتے تھے"[1] لیکن اس ترفہ اور خودنمائی کا معیار بھی ذوق سلیم کے سوا کچھ نہین، یہ ممکن ہے کہ ایک کپڑا دولتمندون کے لیے ترفہ اور خودنمائی کا ذریعہ نہ ہو، لیکن غربا اسی کپڑے کو پہنکر ناز و تبختر کرنے لگین، عمدہ کپڑون ہی کی تخصیص نہین بلکہ بعض اوقات پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے بھی نمایش اور خودنمائی کا ذریعہ بن سکتے ہین، مثلاً اگر ایک شخص ریاکار زاہد بننا چاہتا ہے، تو اسکی شہرت و خودنمائی کیلئے پھٹے پرانے کپڑون سے زیادہ کونسی چیز موزون ہو سکتی ہے؟ اس بنا پر شریعت نے اس کا کوئی معیار مقرر نہین کیا بلکہ عام الفاظ مین اسکی ممانعت کر دی،

من لبس ثوب شھرۃ البسہ اللہ یوم القیامۃ ثوبا مثلہ	جو شخص شہرت کا کپڑا پہنے گا خداوند تعالی قیامت کے دن اوسکو ویسا ہی کپڑا پہنائیگا،

بعض روایتون مین "ثوب مذلۃ" کا لفظ آیا ہے، یعنی اس دنیوی شہرت کے بدلے عقبی مین اسکو

[1] ابو داؤد کتاب الترجل،

ایسا کپڑا پہنایا جائیگا جس سے اُسکی تشہیر و تحقیر ہو،

اب سوال یہ ہے کہ موجودہ زمانے مین یورپین وضع و لباس کو جو تہذیب و شایستگی کا بہترین ذریعہ سمجھے جاتے ہین، ان احادیث کے تحت مین کیونکر لایا جا سکتا ہے؟ [illegible] مسلم ہے کہ حریر، دیبا، سندس اور استبرق وغیرہ کی طرح تشریعًا اسکی ممانعت نہین ہے، یہ بھی مسلم ہے کہ شریعت نے تشریعًا کسی وضع و لباس کی بھی تعیین نہین کی ہے، اسلیے یورپین وضع لباس بلکہ کسی قوم کی وضع و لباس کو تشریعًا تو ناجائز نہین قرار دیا جا سکتا، البتہ اخلاقی اور شرعی مصالح کی بنا پر ان کو قابلِ اعتراض قرار دیا جا سکتا ہے اور اس بنا پر ہم کو دیکھنا چاہیے کہ یورپین وضع و لباس سے اخلاقی اور شرعی مصالح کو کوئی صدمہ پہنچتا ہے یا نہین؟ اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ ظاہری وضع و لباس مین کسی نمایان قوم کی تقلید کا جذبہ محض شہرت و خودنمائی کی بنا پر پیدا ہوتا ہے، اور لوگ اس قوم کی وضع و لباس، اور عام طرز معاشرت مین سے انھی چیزون کو چن لیتے ہین، جو شہرت و خودنمائی کا ذریعہ بن سکتی ہین، مثلاً رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک مین رومیون اور ایرانیون کے ناہموار تمدن نے طبقات انسانی کے مختلف مدارج قائم کر دیے تھے، جنکی طرز معاشرت اور وضع و لباس مین زمین و آسمان کا فرق تھا، لیکن ان تمام چیزون مین آپ نے صرف حریر، دیبا، استبرق، سونے چاندی کے برتن اور مردون کے لیے سونے کے زیورات کی ممانعت فرمائی، کیونکہ اُن کے یہان ترفہ، شہرت اور خودنمائی کا ذریعہ صرف یہی چیزین تھین، اور اس لئے صرف انھی چیزون مین ان کی تقلید کا جذبہ پیدا ہو سکتا تھا، بقیہ رومیون اور ایرانیون کے عام استعمال کی چیزون سے یہ جذبہ متعلق نہین ہو سکتا تھا، بعینہ اسی طرح آج دوسری قومون مین یورپین قومون کے وضع و لباس اور مخصوص طرز معاشرت کی تقلید کا جو جذبہ پیدا ہو گیا ہے، وہ انھی چیزون سے تعلق رکھتا ہے، جو شہرت اور خودنمائی کا ذریعہ ہین، اور اسلیے وہ "من لبس ثوب شھرۃ" والی حدیث کے مفہوم مین داخل ہین، یہی وجہ ہے کہ ابو داؤد نے اس حدیث کے بعد جو دوسری حدیث درج کی ہے وہ یہ ہے،

من تشبہ بقوم فہو منہم — جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی مین سے ہے؛

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسری قومون کے تشبہ کا جذبہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب یہ تشبہ شہرت اور نمائش اور زیب و زینت کا ذریعہ ہو، کم از کم یہ تمام چیزین اس تشبہ کا ایک سبب ہو سکتی ہین، اسلیے یہ اور "من لبس ثوب شہرۃ" والی حدیث معنی ایک ہی ہین یا کم از کم ایک کی دوسرے سے تائید ہوتی ہے، لیکن اس کے معنے یہ نہین ہین کہ وہ کافر ہو جائیگا، بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہین کہ اس نے چونکہ اپنی قومی خصوصیتین چھوڑ کر دوسری قومون کی خصوصیتین اختیار کر لی ہین، اسلیے اس کا شمار اسی دوسری قوم مین کیا جائے گا، مثلاً اگر کسی نے زاہدانہ وضع اختیار کر لی ہے تو وہ زاہدون کی جماعت مین شمار کیا جانے لگے گا، البتہ اگر اس نے یہ وضع ریاکارانہ طریقہ پر محض شہرت و خودنمائی یا کسبِ معاش کے لیے اختیار کی ہے تو وہ شرعی حیثیت سے ریاکار زاہد قرار پائیگا، اسی طرح اگر ایک شخص نے انگریزون کی وضع اختیار کر لی ہے، تو جہان تک ظاہری وضع کا تعلق ہے اسکا شمار انگریزون مین کیا جائے گا، اور اگر وہ انگریزون کے اور اخلاقی اوصاف سے معرا ہے تو وہ ایک ریاکار انگریز کہلائے گا، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کی شرح مین لکھتے ہین،

ہر کس کہ مشابہ کرد خود را بقومی پس آنکس از ان قوم است و معدود است در ایشان، تشبہ باطلاق خود شامل است اخلاق و اعمال و لباس را خواہ باخیار باشد یا باشرار اگر در اخلاق و اعمال است حکم او در ظاہر و باطن جاری است و اگر در لباس است مخصوص بظاہر خواہد بود و بیشتر در متفاہم عرف این را در لباس اطلاق کنند، و باین جہت این حدیث را در کتاب اللباس آوردہ و بالجملہ حکم مشابہ شے حکم آن شی است ظاہرا کان او باطنا،[1]

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ظاہری تشابہ کے اثرات رفتہ رفتہ اندرونی جذبات و حالات پر غیر محسوس طور سے پڑنے لگتے ہین اور ایک ہندوستانی جب انگریزی کپڑے پہن لیتا ہے، تو پھر وہ انگریزون ہی کے طرح

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ جلد سوم صفحہ ۲۹۹،

چلنے، اٹھنے، بیٹھنے، دیکھنے، بھالنے، بولنے چالنے لگتا ہے، یہان تک کہ اسی قسم کے افعال و حرکات کرنے کا خواہشمند ہو جاتا ہے، اور اپنی قومی وضع، قومی لباس، اور قومی خصوصیات ہر چیز سے نفرت کرنے لگتا ہے، اور اس لحاظ سے آنحضرت صلعم کا یہ فرمانا کہ "جو شخص کسی دوسری قوم کیساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے وہ انہین مین سے ہے" بالکل نفسیاتی حقیقت ہے،

اس موقع پر یہ اصولی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم اسلام لاتی ہے تو اس پر اپنی قدیم قومی وضع قطع کی تبدیلی ضروری ہو جاتی ہے یا نہین؟ یا یہ کہ ملکی یا فوجی ضروریات سے قدیم اسلامی وضع مین تغیرات کیے جا سکتے ہین یا نہین؟ مثلاً اگر آج تمام یورپ مسلمان ہو جائے تو اس کو کوٹ پتلون اور ہیٹ وغیرہ اتار کر پھینک دینا چاہیئے، یا وہ اس لباس کو قائم رکھ سکتا ہے؟

جہان تک احادیث کے تتبع و استقرار سے ثابت ہوتا ہے عہد رسالت مین جو لوگ اسلام لائے وہ اہل عرب کی اسی قدیم مشرکانہ وضع پر قائم رہے، خفیف سے فرق کا پتہ ضرور چلتا ہے، مثلاً آپ نے ابتدا مین مشرکین کی مشابہت سے بچنے کے لیے مانگ نکالنا چھوڑ دیا تھا، لیکن بعد مین پھر مانگ نکالنے لگے

ایک اور حدیث ہے،

ان فرق ما بیننا و بین المشرکین العمائم علی القلانس، — یعنی ہم مین اور مشرکین مین فرق یہ ہے کہ ہم ٹوپیون پر عمامہ باندھتے ہین،

لیکن ترمذی نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ "اسکی اسناد صحیح نہین ہے اور اس کے راویون مین ابو الحسن عسقلانی اور ابن رکانہ سے ناواقف ہین، اس لیے یہ دونون فرق نظر انداز کرنے کے قابل ہین اور ان کے نظر انداز کرنے کے بعد اہل اسلام اور مشرکینِ عرب کی وضع و لباس مین کوئی فرق نظر نہین آتا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر قوم مسلمان ہونے کے بعد اپنی قدیم قومی وضع کو قائم رکھ سکتی ہے، اسلئے ہندوستانی مسلمان قدیم ہندوانہ وضع کو اور یورپین مسلمان اپنی قدیم یورپین وضع کو قائم رکھ سکتے ہین،

ملکی اور فوجی ضروریات سے بھی اہل اسلام کی وضع و قطع مین ہمیشہ تغیرات ہوے ہین، اور اس بنا پر ان کی وضع و قطع مین صحابہ کرام رض کے وضع و قطع سے لازمی طور پر اختلاف پیدا ہو گیا ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ ایک موقع پر اپنے فتاوے مین لکھتے ہین :-

اہل حجاز کا ملک سرد نہین ہے اسلیے وہ تہ بند اور چادر کے عادی تھے اور پائجامہ کم پہنتے تھے یہان تک کہ ان مین بعض لوگون نے کبھی پائجامہ نہین پہنا، حضرت عثمان رض وغیرہ انھی لوگون مین تھے، اسکے بخلاف اگر سرد ملک کے رہنے والے صرف تہ بند اور چادر پر قناعت کر لین تو یہ ان کے لیے کافی نہ ہوگا، بلکہ ان کو قمیص، موزے، پوستین اور پائجامون کی ضرورت ہوگی[1]

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہین،

اور سلف اپنے عمامون کو اپنے گلے مین باندھ لیتے تھے کیونکہ وہ لوگ گھوڑون پر سوار ہوتے تھے، اور خدا کی راہ مین جہاد کرتے تھے، اسلیے اگر عمامون کو گلے مین نہ باندھتے تو وہ گر پڑتے اور وہ عمامہ باندھکر گھوڑے نہ دوڑا سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رح نے اہل شام کے متعلق بیان کیا کہ وہ اس سنت پر قائم ہین، کیونکہ وہ لوگ ان کے زمانے مین مجاہد تھے لیکن اسحاق ابن راہویہ نے اپنی اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ مہاجرین اور انصار کی اولاد عمامہ کو گلے مین نہین باندھتی تھی کیونکہ وہ لوگ تابعین کے زمانے مین حجاز مین رہتے تھے اور جہاد نہین کرتے تھے[2]،

ان تمام تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت نے مسلمانون کے لیے کوئی خاص وضع مقرر نہین کی ہے، بلکہ ملکی اور فوجی ضروریات سے اس مین اختلاف ہوتا رہا ہے، اس لیے ہر مسلمان اپنی ملکی وضع پر قائم رہ سکتا ہے، اور مختلف جائز ضروریات کی بنا پر اپنی وضع مین تغیر کر سکتا ہے،

[1] فتاوی ابن تیمیہ جلد اول صفحہ ۲۷۱ [2] ایضاً صفحہ ۲۶۴،

بشرطیکہ اس سے شرعی مصالح کو کوئی صدمہ نہ پہنچے، یعنی

(۱) اس کا مقصد صرف تزئین و نمائش نہ ہو،

(۲) اس سے ستر عورت کافی طور پر ہوتا ہو،

(۳) ضروریات دین مثلاً وضو و نماز مین کوئی خلل اور وقت نہ واقع ہو،

ان اصول و مقاصد کے پیش نظر رکھنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

(۱) ہندوستان جیسے گرم ملک مین ہندوستانی مسلمان دھوتی، انگرکھا، کرتہ، دوپلی ٹوپی وغیرہ تو بے تکلف استعمال کر سکتے ہین، لیکن کوٹ، پتلون، ہیٹ اور نیکر وغیرہ کے استعمال سے انکو پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے نماز اور وضو مین خلل آتا ہے اور نیکر سے تو یقیناً کافی طور پر ستر عورت نہین ہوتا، اور وہ ملکی ضروریات سے بھی ان کے استعمال کرنے پر مجبور نہین ہین،

(۲) یورپین مسلمان اپنی ملکی ضرورتون سے ان کا استعمال کر سکتے ہین، بشرطیکہ وہ ان مین اسقدر اصلاح کر لین جس سے مصالح و مقاصد شرعی کو کوئی صدمہ نہ پہنچے، اور ان سے اُن کا مقصد محض فیشن اور تزئین و نمائش نہ ہو،

(۳) سرد ممالک مین جاکر اگر گرم ملک کے مسلمانون کو بھی ضرورت پیش آئے، تو وہ بھی اپنی قدیم وضع کو بدل کر اس ملک کی موسمی حالت کے موافق مناسب وضع اختیار کر سکتے ہین،

یہانتک جو بحث تھی وہ مردون کے وضع لباس سے تعلق رکھتی تھی، لیکن عورتون کے وضع و لباس کا مسئلہ مردون کے وضع لباس سے بھی زیادہ اہم ہے، اور اسی اہمیت کی بنا پر خود قرآن مجید مین اُس کے متعلق احکام نازل ہوئے ہین، مثلاً

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن	عورتون کو چاہیے کہ اپنے دوپٹون کے آنچل اپنے گریبانون پر یعنی سینون پر ڈالے رہین،

يا ايها النبي قل لازواجك وبنتك ونساء المومنين يدنين عليهن من جلا بيبهن ذلك ادنى ان يعرفن فلا يؤذين،

اے پیغمبر اپنی بیبیون اور اپنی بیٹیون اور مسلمانون کی عورتون سے کہدو کہ اپنی چادرون کے گھونگھٹ نکال لیا کرین اس سے کسیقدر وہ الگ پہچان پڑینگی اسلیے چھیڑی نہ جائینگی"

ان دونون آیتون مین پہلی آیت کے نازل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت مین عورتین اپنے سینون کو کھلا رکھتی تھین، اسلیے مسلمان عورتونکو سینون کے چھپانے کا حکم دیا گیا، اور دوسری آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ جاہلیت کے دستور کے موافق جب مسلمان عورتین صبح وشام قضاے حاجت کو باہر جاتی تھین تو بدوضع اور منافق لوگ ان کو چھیڑا کرتے تھے اور جب ان سے اسکی شکایت کیجاتی تھی تو کہتے تھے کہ ہم نے ان کو لونڈی سمجھا تھا، اسلیے مسلمان عورتون کو گھونگھٹ نکالنے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ لونڈیون سے ممتاز ہوجائین،

ان دونون آیتون سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورتون کی وضع ولباس مین سب سے زیادہ اہم چیز مخصوص اعضاء کا چھپانا ہے، اور اسی خصوصیت کی بنا پر وہ ان عورتون سے ممتاز ہوسکتی ہین جنپر اہل ہوس کی نگاہین پڑتی ہین، مردون اور عورتون کی وضع مین جو قدرتی فرق پیدا ہوگیا ہے اسکو زیادہ تر اسی خصوصیت نے پیدا کیا ہے اور شریعت نے بھی اسی بنا پر اس اختلاف کو قائم رکھا ہے، مثلاً حدیث مین ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص غرور سے زمین پر اپنے کپڑے کو گھسیٹتا ہوا چلے گا خدا قیامت کے دن اس کی طرف نہ دیکھے گا، اس پر حضرت ام سلمہ نے کہا" تو پھر عورتین اپنے دامن کو کیا کرین؟" ارشاد ہوا کہ" ایک بالشت بھر اور لٹکائین" بولین" اس صورت مین ان کے پانون کھل جائین گے" ارشاد ہوا " تو ہاتھ بھر لٹکالین" اس سے زیادہ نہین" ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد لکھا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتون کو تہ بند کے نیچا رکھنے کی اجازت ہے تاکہ اس سے ان کی خو

پردہ پوشی ہوسکے، لیکن متعدد صورتین ایسی ہین کہ تمام اعضاء کے چھپانے کے بعد بھی کافی طور پر انکی پردہ پوشی نہین ہوسکتی، مثلاً

(۱) اگر ایک عورت کسی باریک کپڑے کو سر سے پانون تک لپیٹ لے تو اس صورت مین اسکے تمام اعضاء باوجود چھپانے کے نمایان رہینگے،

(۲) اسی طرح اگر کوئی عورت نہایت چست کپڑے مثلاً انگیا وغیرہ کا استعمال کرے تو اسکے اعضاء کی ہیئت صاف نمایان ہوگی، اور انھی صورتون کے متعلق رسول اللہ صلعم نے یہ تہدیدی الفاظ فرمائے ہین،

كم من كاسية في الدنيا عارية يوم القيمة

اور بہت سی عورتین جو دنیا مین لباس پہنتی ہین وہ قیامت کے دن برہنہ ہونگی،

یعنی اس قسم کی عورتون نے گو دنیا مین لباس پہن لیا ہے، لیکن چونکہ ان کے اعضاء کی ہیئت اور ان کا رنگ وروپ اس سے نظر آتا ہے، اسلیے درحقیقت وہ برہنہ ہین، اور اس برہنگی کے جرم مین وہ قیامت کے دن برہنہ رکھی جائینگی،

حضرت ابوہریرہ رض کی روایت مین یہ مضمون اور صاف ہوگیا ہے، وہ فرماتے ہین،

نساء كاسيات عاريات مائلات مميلات لا يدخلن الجنة

جو عورتین لباس پہنکر برہنہ رہتی ہین، حق سے منحرف ہین اور لوگونکو حق سے منحرف کرتی ہین وہ جنت مین داخل نہونگی

لباس پہنکر برہنہ رہنے کی وہی دو صورتین ہین جو اوپر مذکور ہوئین، اور انھی دونون صورتون کو اس حدیث کی شرح مین اس طرح بیان کیا گیا ہے،

یہ عورتین باریک کپڑے پہنینگی، اور ان کپڑون کے پہننے کی وجہ سے وہ لباس پہننے والی تو ہین، لیکن یہ کپڑے چونکہ ان کے بدن کو جس کا چھپانا ان کے لیے ضروری ہے نہین چھپاتے

اس لیے وہ تنگی مین،» اور میرے خیال مین اسکی دو وجہین ہوسکتی ہین، ایک تو یہ کہ وہ کپڑے باریک ہون اسلیے ان سے انکے نیچے کی چیز نمایان ہو اور نگاہ کو اُن کے نیچے کی خوبیان نظر آجائین، یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے باریک اور چست کپڑا مراد ہو جو بدن کو نہین چھپاتا بلکہ اسکا حجم ظاہر ہوجاتا ہے،» «حضرت عمر بن الخطابؓ عورتون کو قباطی کپڑے کے پہننے کی ممانعت کرتے تھے، کیونکہ اس سے اگرچہ بدن کی جھلک نہین معلوم ہوتی تھی تاہم وہ بدن کی ہیئت کو نمایان کرتا تھا، اور نمایان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بدن سے چمٹ جاتا تھا، امام مالک سے سوال کیا گیا کہ لونڈیان قبا پہنین تو بولے کہ مجھے پسند نہین اجب وہ اسکو کس لینگی تو انکا سرین ظاہر ہوگا" یعنی ان کی تنگی کیوجہ سے ان کے اعضا مثلاً سرین وغیرہ کی ہیئت ظاہر ہوگی[1]

ان دونون صورتون کے علاوہ عورتون کے لیے ایسی وضع بھی ناجائز ہے، جس سے وہ مرد معلوم ہون، چنانچہ احادیث مین ہے،

لعن المتشبہات من النساء بالرجال والمتشبھین من الرجال بالنساء	رسول اللہ صلعم نے ان عورتون پر جو مردون سے مشابہت اختیار کرین اور ان مردون پر جو عورتون سے مشابہت اختیار کرین لعنت بھیجی،
.. .. ..	
لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرجل یلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل،	رسول اللہ صلعم نے اس مرد پر لعنت بھیجی جو عورت کا لباس پہنتا ہے، اور اس عورت پر بھی جو مرد کا لباس پہنتی ہے،
قیل لعائشة رضی اللہ عنہا ان المرأة تلبس النعل فقالت لعن رسول اللہ صلی اللہ	حضرت عائشہؓ سے کہا گیا کہ عورت جوتا پہنے، بولین، رسول اللہ صلعم نے ان عورتون پر لعنت بھیجی ہے

[1] منتقی شرح موطا امام مالک جلد ۷ ص ۲۲۲،

علیہ وسلم الرجلة من النساء	جو مردون کی وضع اختیار کرتی ہین،

لیکن انگریزی زنانہ لباس مین یہ تمام ممنوعہ اوصاف پائے جاتے ہین،

(۱) ان مین بعض ایسے ہین جنکے پہننے سے سینہ، بازو، گلا، ہاتھ، اور پنڈلیان کھلی رہتی ہین،

(۲) بعض اس قدر چست ہوتے ہین کہ اعضا کی ہیئت نمایان ہوتی ہے بلکہ کمر کسنے سے غالباً کمر اور سینہ کی ہیئت و نزاکت کا ظاہر ہی کرنا مقصود ہوتا ہے،

(۳) بعض سے مردون کے ساتھ مشابہت پیدا ہوجاتی ہے، مثلاً ٹوپی،

اسلیے ہندوستانی مسلمان عورتون کیلیے شرعاً ان کا استعمال کسی طرح جائز نہین ہوسکتا، اور یورپ یا دوسرے سرد اسلامی ممالک مین بھی ان کا استعمال نہ صرف شرعاً بلکہ طبی نقطۂ نظر سے بھی ناجائز ہے، کیونکہ ان ممالک مین اعضا جس قدر چھپائے جائین، اسی قدر ان کی آب و ہوا کے اثرات سے جسم کا تحفظ ہوگا، چست لباس بے شبہہ ان ممالک کے لیے موزون ہے، لیکن کمر کے کسنے سے آرام مقصود نہین ہوتا بلکہ نمایش مقصود ہوتی ہے، مین نے ایک رسالے مین پڑھا ہے، کہ یورپین ممالک مین عورتین سینہ و شش کے امراض مین زیادہ تر اسلیے مبتلا ہوتی ہین، کہ وہ کمر کو اس قدر کستی ہین کہ اس کا اثر ان کے تنفس پر پڑتا ہے، انگریزی زنانہ جوتون کو بھی بعض ڈاکٹرون نے مضر صحت بتایا ہے، بہرحال انگریزی زنانہ لباس ہندوستانی عورتون کے لیے ہر طرح ناجائز و نامناسب، اور یورپ مین بھی شرعی نقطۂ نظر سے قابل اصلاح ہے،

انڈیا آفس کی کیٹلاگ

مین

دکھنی مخطوطات کی فروگذاشتین

از

جناب مولوی سید نصیر الدین صاحب ہاشمی

ہاشمی صاحب نے یہ مضمون انڈیا آفس لائبریری لندن مین بیٹھکر لکھا ہے، موصوف نے انڈیا آفس کی اردو کتابون کی مطبوعہ فہرست کے اُن اغلاط کو جنکی معارف نے تنقید کی تھی، انڈیا آفس کے لائبریرین کے سامنے پیش کیا، اور ساتھ ہی دکھنی مخطوطات کے متعلق اپنی تصحیحات پیش کین، جنکو شکریہ کے ساتھ قبول کیا گیا، اور آیندہ اڈیشن مین انکی تصحیح کا وعدہ کیا گیا، موصوف نے اسی طرح دوسرے کتبخانون کی فہرستون کی بھی تصحیح کی اور اب وہ اپنے سفر سے کامیاب واپس آگئے ہین۔

"معارف"

ہمین کوئی شک نہین کہ بلوم ہارٹ نے انڈیا آفس کی ہندوستانی مخطوطون کی کیٹلاگ نہایت محنت اور جانفشانی سے مرتب کی ہے اور بہترین معلومات کو جمع کر دیا ہے، مگر جہان یہ کوشش قابلِ ستایش ہے وہان چند فروگذاشتین بھی ہوئی ہین، مخطوطون مین سب سے قدیم دکھنی کہے جا سکتے ہین ان کے متعلق مین نے کسی قدر تفصیل سے کام کیا ہے دوران تیپچ مین مجھکو ان کے متعلق جو فروگذاشتین معلوم ہوئین یہان ان کی صراحت کی جاتی ہے،

چونکہ ترتیب کیٹلاگ مین کسی دکھنی تذکرہ سے استفادہ نہین کیا گیا ہے، اس لیے فروگذاشتون کا ہونا ناگزیر تھا، ان مین سے گو بعض تو نہایت معمولی ہین اُن کو کوئی اہمیت نہین دیجا سکتی مگر بعض کو نظر انداز نہین کیا جا سکتا، ذیل مین ان کی صراحت کیجاتی ہے،

ان فروگذاشتون کے متعلق زیادہ مناسب تصور کرتا ہون کہ دیگر ذرائع کے بجائے خود اس کتاب سے روشنی ڈالی جائے،

اولاً ان فروگذاشتون کو بیان کرتا ہون جو زیادہ اہمیت رکھتی ہین اور جس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔

(۱) "امواج خوبی" (نمبر ۱ صفحہ ۱) اس کے متعلق لکھا گیا ہے کہ دکھنی زبان مین ہے (سطر ۵) مگر خود کتاب کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ دکھنی نہین گجراتی ہے چنانچہ ذیل کی عبارتین ملاحظہ ہون،

درین کلام ہیچ سخن گیری یا عیب جوئی در دل کند انید کہ خوب بخطاب خوبی مصنف مثنوی متن بزبان گجراتی است، ترجمہ شرح نمائی آن مثنوی بر زبان فارسی خواہد گفت" (صفحہ ۲۹)

"جرعہ دریا نما از دلم بر موجیکہ زد جمع کردم و این مثنوی گجراتی را خطاب خوب ترنگ درم"

"ہریک شعری بر زبانِ خود تصنیف کردہ اند و میکند من بر زبان گجراتی کہ بہ الفاظ عربی و عجمی آمیز است ہیچجان گفتم معیش مکند کہ لفظ را تغیر دادہ نیاوردہ ام"

ان عبارتون سے بخوبی ظاہر ہے کہ "امواج خوبی" دکھنی زبان مین نہین ہے چنانچہ خود ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کو گجراتی ظاہر کیا ہے، مؤلف "پنجاب مین اردو" نے بھی اسکو گجراتی بیان کیا ہے، حال مین رسالہ اردو (اورنگ آباد) مین مولوی عبد الحق صاحب نے اس کتاب کے متعلق تفصیل سے بحث کی ہے،

(B) اس مخطوطے کے کاتب کا نام "ملا ..." لکھا گیا ہے مگر یہ صحیح نہین ہے بلکہ مخطوطے مین "ملا ..." لکھا ہوا ہے جو غالباً محمد کا مشتق ہے، آجکل بھی دکھنی (ص ۱ کالم ۲ سطر ۱) دیہات مین "ممدو" نام سنا جاتا ہے، لفظ محمد کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، کہ اسی جلد مین ایک اور کتاب اسی خط کی شامل ہے اور کاتب کا نام محمد لکھا ہوا ہے،

(۲) "خاور نامہ" (نمبر ۵ صفحہ ۱۶) اس کو تاریخ مین رکھا گیا ہے، حالانکہ تاریخ سے اس کو کچھ بھی

تعلق نہین ہے بلکہ ایک فرضی داستان ہے، اور نفس مضمون کے متعلق جو صراحت کیگئی ہے وہ تشفی بخش نہین بلکہ غلط فہمی

پیدا کرتی ہے چنانچہ ایک انگریز پروفیسر صاحب کو بھی اس کے نفس مضمون کے متعلق یہی خیال تھا کہ حضرت

علیؓ کی خلافت کے کارنامون پر مشتمل ہے،

درحقیقت یہ کتاب واقعات خلافت سے کوئی تعلق نہین رکھتی، یہ بھی داستان امیر حمزہ کی طرح ایک فرضی

داستان ہے جس کے ہیرو حضرت علیؓ ہین، اسمین داستانِ امیر حمزہ کی طرح خلافِ قیاس امور دیون اور پریون

وغیرہ کے حالات طلسم کشائی عیاری وغیرہ کا ذکر ہے،

اگرچہ فرضی داستان ہے مگر رزمیہ مثنوی ہونے کے باعث قابلِ قدر ہے اور پھر حجم کے لحاظ سے

زبان اردو کی آجتک معلوم شدہ مثنویون مین سب سے بڑی ہے اس سے اس امر کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ

دکھنی زبان مین ابتدا ہی سے رزمیہ مثنویون کی جانب توجہ کیگئی تھی،

(۳) "علی نامہ" (نمبر ۳۴ صفحہ ۱۶) اس کے مصنف کے متعلق کچھ بھی وضاحت نہین کیگئی ہے صرف

تخلص اور اسکی دوسری تصنیف گلشنِ عشق کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے، علاوہ ازین اسکی تاریخ تصنیف

صحیح نہین لکھی گئی ہے، بلوم ہارٹ ہی نے برٹش میوزیم کی کیٹلاگ مین اس کے مصنف کو ہندو لکھا ہے

آخر الذکر کے غلط ہونے کے متعلق مین نے اپنے نوٹ متعلقہ برٹش میوزیم مین صراحت کی ہے اور

تصانیف وغیرہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے

"نصرتی" کی تصنیف "گلشن عشق" کے سنہ تصنیف کے متعلق کسی کو اختلاف نہین ہے جو سنہ ۱۰۶۸ھ

ہے اور خود نصرتی کے کلام سے اسکی تائید اور توثیق ہو جاتی ہے، چنانچہ کہتا ہے،

کیا اسکی تاریخ یون تجرتی ۔۔۔ مبارک یوہی ہدیۂ نصرتی

مگر "علی نامہ" کے سنہ تصنیف کے متعلق اختلاف ہے، بلوم ہارٹ نے ۱۰۸۰ھ لکھا ہے (صفحہ

۱۶ سطر ۹) نہین معلوم یہ صراحت کس بنا پر کیگئی ہے،

علی نامہ مین ملناڑ کی فتح کا قصیدہ شامل ہے اور یہ فتح ۱۰۷۶ھ مین ہوئی ہے، اس سے قیاس ہو سکتا

ہے کہ علی نامہ اس کے بعد مرتب ہوا ہوگا، چنانچہ برٹش میوزیم کے مخطوطے سے اسکی تصنیف ۱۰۷۶ھ ظاہر ہوتی

ہے، اس کی توثیق مین ذیل کے اشعار ملاحظہ ہون،

لکھا شہ کا مین جس جو بوکر اومس ۔۔۔ ہزار یک ہو ستر پہ تھے چھ برس

ولی ہی ہون یو حق نے امیدوار ۔۔۔ کہ شہ جم جیو فتح پانی آپار ر،

. . . .

انا نصرتی ختم کر یو کلام ۔۔۔ دعا سون کر تج مدعا ہے تمام

مصنف کٹیلاگ کتب خانۂ ٹیپو سلطان نے اسکی تصنیف کا سنہ نہین دیا ہے ڈاکٹر اسپرنگر نے

(ص ۲۱۶ ب) گلشنِ عشق کی صراحت کی ہے،

(۴) مجموعۂ مثنویات (نمبر ۲۲ صفحہ ۱۶۴) اس مجموعہ مین تین مثنویان شامل ہین جنمین سے دو کے

مصنف کے نام ظاہر کئے گئے ہین مگر تیسری بلا صراحت ہے جو مثنویان نام کے ساتھ درج ہین وہ

(ا) مثنوی پھول بن

(ب) مثنوی روضۃ الشہداء ہین،

تیسری کتاب جو بلحاظ سلسلہ III ہے خاص اہمیت رکھتی ہے مگر افسوس کہ کیٹلاگ سے کچھ بھی روشنی نہین

پڑتی، نہ اس مثنوی کا نام درج ہے اور نہ مصنف کا، لہذا اسکی صراحت کی جاتی ہے،

اس مثنوی کا نام مثنوی قطب مشتری ہے جیسا کہ خود ذیل کے شعر سے واضح ہے،

قطب مشتری مین جو بولیا کتاب

ہوئی جگ مین روشن جیون آفتاب

اس مثنوی کا مصنف وجہی ہے اشعارِ ذیل سے اسکی بخوبی تائید ہوتی ہے،

وجہی را ذہن جیون برق ہے — بجھی ہور بعضیاں مین کئی فرق ہے

تو ن وجہی کہیا شعر کئی دھات کا — ہوا زیاست تجھ مزا بات کا

وجہی کا نام وجہ الدین ہے قطب شاہی دور کا ممتاز شاعر تھا اپنی مسلمہ قابلیت نظم ونثر کے باعث دربار سلطانی مین اعزاز رکھتا تھا، اس کی ممتاز حیثیت کا ثبوت خود اس سے مل سکتا ہے کہ اس مثنوی مین ہیرو ولی عہد سلطنت کو قرار دیا ہے،

اس کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہمعصر شاعر غواصی سے اسکی نوک جھوک ہو گئی تھی

وجہی کے دو تصانیف کا پتہ چلتا ہے:۔

(۱) مثنوی قطب مشتری جسکو اس نے ابراہیم قلی قطب شاہ کے عہد ۱۰۱۸ھ مین لکھا ہے،

(۲) سبرس جو نثر مین ہے اسکو عبد اللہ قطب شاہ کے عہد ۱۰۴۵ھ مین لکھا ہے،

کیٹلاگ مین اس کتاب کے (۵۰) صفحے بتائے گئے ہین حالانکہ (۶۴) صفحے ہین،

(۵) قصہ سیف الملک (نمبر ۹۹ صفحہ ۵۲) اس کے متعلق تین امور اصلاح طلب ہین:۔

(۱) غواصی کے متعلق لکھا گیا ہے کہ شیعہ تھا،

(۲) سلطان عبد اللہ قطب شاہ کا دور حکمرانی غلط لکھا گیا ہے،

(۳) تاریخ تصنیف سیف الملک،

غواصی کا شیعہ ہونا نہین معلوم بلوم ہارٹ نے کس طرح معلوم کیا ہے، کوئی ثبوت تائید مین بیان نہین کیا گیا غواصی کے کلام سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ یہ شیعہ نہین تھا، بلکہ سنی تھا خلفائے راشدینؓ اور شیخ عبد القادر جیلانی کی مدح علاوہ برٹش میوزیم کے ناقص نسخہ مین حسب ذیل شعر ہے، جو غواصی کے مذہب پر کافی روشنی ڈالتا ہے

فدا ہون انکی دلیون کے اوپر — سنو رافضی خارجی کاٹ کر

غواصی کے حالات بہت کم معلوم ہوئے ہین مگر کیٹلاگ تو بالکل ساکت ہے۔

غواصی دور قطب شاہی کا نامور باکمال شاعر ہے اس کی قابلیت کی تعریف ملک الشعرا بیجاپور نصرتی نے [علی نامہ] مین کی ہے، ابتک اسکی دو تصانیف کا پتہ چلا ہے،

(۱) سیف الملک و بدیع الجمال

(ب) طوطی نامہ،

اول الذکر ۱۰۳۵ھ مین اور آخر الذکر ۱۰۴۹ھ مین مرتب ہوئی ہے،

طوطی نامہ کا ذکر اسپرنگر نے بھی کیا ہے اسکی کیٹلاگ مین یہ کتاب موجود ہے مگر ان کے حالات پر اس نے بھی کچھ روشنی نہین ڈالی ہے،

ڈی ٹاسی نے بھی طوطی نامہ کا ذکر کیا ہے مگر ان مین سے کسی نے بھی سیف الملک کا ذکر نہین کیا ہے،

سیف الملک کا ایک نسخہ مکمل اور ایک ناقص نسخہ برٹش میوزیم مین ہے، انڈیا آفس کے نسخہ مین بعض اشعار موجود نہین ہین،

(ب) سلطان عبد اللہ قطب شاہ کا زمانۂ حکومت ۱۰۳۰ھ سے شروع نہین ہوتا جیسا کہ بلوم ہارٹ نے لکھا ہے بلکہ ۱۰۳۵ھ سے سلطان کی حکمرانی کی ابتدا ہوتی ہے چنانچہ یہی سنہ قبر کے کتبہ پر درج ہے،

(ج) اس کے سنہ تصنیف کے متعلق بھی اختلاف ہے انڈیا آفس کے نسخہ مین تو سنہ تصنیف والا شعر ہی نہین ہے برٹش میوزیم والے سے ۱۰۳۵ھ ظاہر ہوتا ہے اور مطبوعہ نسخہ سے ۱۰۲۶ھ مگر یہ دونون اس لیے صحیح نہین ہین کہ اس زمانہ مین سلطان عبد اللہ قطب شاہ کی تخت نشینی نہین ہوئی تھی چونکہ اس مین سلطان کی مدح بحیثیت بادشاہ وقت درج ہے اسلیے یقیناً اسکی تصنیف سلطان کی تخت نشینی کے بعد ہوئی ہوگی، اس لحاظ سے اسکی تاریخ تصنیف ۱۰۳۵ھ صحیح ہے، چنانچہ چند دیگر نسخون سے اسکی تائید بھی ہوتی ہے، جنمین شعر اس طرح درج ہے،

برس یک ہزار اور پنج تیس مین — کیا نظم یو ختم دن تیس مین۔

برٹش میوزیم والی مین جو ۲۵ بیس درج ہے، وہ کاتب کی سہو معلوم ہوتی ہے، بہرحال اسکی تصنیف ۱۱۳۰ھ مین ہوئی ہے،

(۲) روضۃ الشہدا (نمبر ۱۲ صفحہ ۵۹) اس کے متعلق بھی تین فروگذاشتین ہوئی ہین،

(ا) اسکو ولی گجراتی کی تصنیف بتایا گیا ہے،

(ب) خود ولی گجراتی کے وطن کی صراحت غلط ہے،

(ج) تخلص کو "ولی شاہ" بھی ظاہر کیا گیا ہے،

سب سے پہلے اس امر کی وضاحت کرنی چاہیئے کہ یہ اس ولی کی تصنیف نہین ہے جسکا دیوان مشہور ہے، دکن مین ولی تخلص کے دو شخص ایک ہی زمانہ مین گذرے ہین، ولی اورنگ آبادی، ولی ویلوری،

روضۃ الشہدا دراصل ولی ویلوری کی تصنیف ہے، جیسا کہ مولانا محمد باقر آگاہ نے اپنی تصنیف ریاض الجنان کے دیباچہ مین ظاہر کیا ہے، چونکہ آگاہ کا زمانہ ولی ویلوری سے قریب تر ہے اور پھر خود آگاہ بھی ویلوری ہی ہے اس لیے روضۃ الشہدا کو ولی ویلوری کا تصنیف کرنا ضروری ہے،

اسپرنگر کے کیٹلاگ مین یہ کتاب داخل نہین ہے، اسٹوارٹ (STEWART) نے مصنف کے متعلق کچھ وضاحت نہین کی ہے،

علاوہ ازین ولی جسکا دیوان مشہور ہے اس کے حالات عام طور سے معلوم ہین اور اکثر قدیم اور جدید تذکرہ نویسون نے اس کا ذکر کیا ہے مگر کسی قدیم دکھنی یا شمالی ہند کے تذکرہ نویس نے روضۃ الشہدا کو ولی کی تصنیف نہین بتایا ہے، البتہ ولی کی تصنیف وہ مجلس ہے جسکی تاریخ تصنیف بھی کلیاتِ ولی مین موجود ہے جو درج کیجاتی ہے:-

ہوا ہے ختم جب یو درد کا حال　　　گیارا سو پو تھا اکتالیسوان سال

ل؎ برٹش میوزیم مین یہ کتاب ۲۵۰۵ پر موجود ہے،

کہا ہاتف نے یو تاریخ مقبول　　　ولی کا ہے سخن حق پاس مقبول

اس بیان سے واضح ہو سکتا ہے کہ روضۃ الشہدا ولی ویلوری کی تصنیف ہے، ان کے صحیح نام کے متعلق کسی قدر شبہہ ہے، مؤلف اردوے قدیم نے محمد فیاض ظاہر کیا ہے، رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے سرورق پر میر ولی فیاض درج ہے، آگاہ نے نام کی صراحت نہین کی ہے،

عالمگیر کے زمانہ مین یہ موجود تھے، پہلے حراست خان صوبہ دار ساتگڈھ کی رفاقت مین بسر کی، اسکے بعد سدھوٹ چلے گئے اور قلعہ دار سدھوٹ کی ملازمت اختیار کی، ان امور کی صراحت انھون نے اپنی دوسری تصنیف مثنوی "رتن و پدم" مین کی ہے، چنانچہ چند اشعار درج ہین،

حراست خان امیر ایک نامور تھا　　　سکونت گاہ اوسکون سات گدھ تھا
اتھا وہ اہل درد و نیک اعمال　　　رفاقت مین اتھا مین اسکے خوشحال
قضارا وان سون ہو قسمت نے برخاست　　　سوآیا مین طرف کڑپہ کے دہر خواست
نواب عبدالمجید ابن الحمید ایک　　　اتھا وان نامور صوبہ سعید ایک
سواو بحر شجاع پروانہ لکھ کر　　　لسلک نوکران مین منسلک کر
یقین کر مجکون سدھوٹ کو روانہ　　　کیا او صاحب شہرین زمانہ
سو حسب الحکم مین سدھوٹ کو آیا　　　رنگارنگ وان تماشے مین نے پایا

مثنوی رتن و پدم کتب خانہ شاہانِ اودھ مین موجود تھی، چنانچہ ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کا ذکر کیا ہے، روضۃ الشہدا کی تصنیف ۱۱۳۰ھ مین ہوئی ہے، جیسا کہ انڈیا آفس اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخون سے ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ ذیل کے شعر سے اسکی پوری وضاحت ہوتی ہے،

کیا ہون ختم جب یو درد کا قال
اگیارہ سو اوپر تھا تیسوان سال

اس کے بعد ولی گجراتی کے متعلق یہ صراحت کرتی ہے کہ ولی کو احمد آباد گجرات سے تعلق نہین تھا، ان کا وطن دراصل اورنگ آباد ہے، البتہ انھون نے گجرات مین طالب العلمی کی ہے،

ولی اورنگ آبادی کے وطن کے متعلق مختلف اصحاب نے بحث کی ہے اور اس امر پر اتفاق راے ہی کہ اورنگ آباد ان کا وطن تھا، چنانچہ حال مین مؤلف کلیاتِ ولی نے بھی اس پر کافی بحث کی ہے اور ذیل کے اشعار ان کے دکھنی ہونے کے ثبوت مین پیش کئے ہین،

یو مکہ کی شمع سون روشن ہر صفت اقلیم کی مجلس ۔۔۔ ولی پروانگی کرتا تری ملک دکن بہتر

ولی ایران و توران مین ہے مشہور ۔۔۔ اگرچہ شاعرِ ملکِ دکن ہے

علاوہ ازین خود انڈیا آفس کے ایک نسخہ (نمبر ۱۱۵/پ ۶۲) جو ولی کے مرنے کے ایک سال بعد ابوالمعالی کے فرزند نے مرتب کیا ہے، ان کا دکھنی ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے، یہ ابوالمعالی وہی صاحب ہین جن کے ساتھ ولی نے دہلی کا سفر کیا تھا،

تیسری فروگذاشت یہ ہے کہ بلوم ہارٹ نے لکھا ہے کہ شاعر نے خود کو "ولی شاہ" سے بھی موسوم کیا ہے (صفحہ ۵۹ سطر ۱۰) اور جس شعر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے،

ولی شاہ ولایت سون مدد منگ ۔۔۔ اتا کر مجلس ششم مین اہنگ

حالانکہ اس کا سرسری ملاحظہ بھی اس امر کو ظاہر کر دیتا ہے کہ "شاہ" کی اضافت ولایت کی طرف ہے نہ کہ ولی کی طرف شاہِ ولایت سے حضرت علیؑ مقصود ہین، اگر ولی شاہ قرار دیا جاے تو پھر شعر کا مفہوم ہی حاصل نہیں ہو سکتا، بہرحال "ولی شاہ" نہیں ہے بلکہ شاہِ ولایت ہے

(۷) قصۂ ملکۂ مصر (نمبر ۱۱/۲ صفحہ ۲۵) اس کے مصنف اور مثنوی لال و گوہر کے مصنف کو ملا دیا گیا ہے (نمبر ۱۰۰ صفحہ ۵۸) حالانکہ دو جدا شخص ہین)

قصۂ ملکۂ مصر کے مصنف کا نام سید محمد عاجز ہے اور مثنوی لال و گوہر کا مصنف عارف الدین عاجز

اول الذکر کا زمانہ عہد عالمگیری ہے، اور ثانی الذکر عہد آصفیہ سے متعلق ہین،

عاجز کے متعلق "ایتھے" اور ڈی ٹاسی کو بھی دھوکہ ہوا ہے، قصۂ ملکۂ مصر کی تصنیف ۱۱۱۰ھ مین ہوئی ہے جیسا کہ ذیل کے اشعار سے واضح ہے:

اگیارا تھی تاریخ ماہی صفر ۔۔۔ سو پنجشنبہ کا روز تھا خوب تر

نبی کی جو ہجرت برس یک ہزار ۔۔۔ ہور یک سو پو بولیا یو یادگار

عارف الدین عاجز کے حال مین ان کے معاصر تذکرہ نویس "شفیق" نے صراحت کی ہے کہ ان کے باپ عالمگیر کے عہد مین ہندوستان آئے تھے، اس سے واضح ہو سکتا ہے کہ قصۂ ملکۂ مصر ان کی تصنیف نہیں ہو سکتی، علاوہ ازین مثنوی لال گوہر کو عارف الدین کی تصنیف بتایا ہے، مگر ملکۂ مصر کی صراحت نہین کی، ایک معاصر تذکرہ نویس سے ایسی غلطی نہین ہو سکتی، غرضکہ ملکۂ مصر کا مصنف ایک علیحدہ شخص ہے اور لال و گوہر کا علیحدہ، قصۂ ملکۂ مصر کے مصنف کا نام سید محمد عاجز ہے، ذیل کے شعر سے نام کی صراحت ہوتی ہے،

اے محمد واب پیر کا ناون لی ۔۔۔ ختم کر وزاری سوپ چھوڑ دی

عاجز صوفی المشرب تھے، خود ان کے کلام سے اسکی تائید ہوتی ہے، قصۂ ملکۂ مصر کو قصۂ فیروز شاہ سے بھی موسوم کیا گیا ہے، غالبًا یہ غلطی پروفیسر دکسن کے بیان سے ہوئی ہے، فارسی مین جو قصۂ فیروز شاہ کے نام سے مرتب ہوا ہے اس سے مقابلہ کیا گیا، دونون بالکل علیحدہ ہین، جس طرح اس کے مصنف دو جدا شخص ہین اسی طرح قصۂ ملکۂ مصر اور قصۂ فیروز شاہ جدا ہین،

(۸) مثنوی لال و گوہر (نمبر ۱۱ صفحہ ۵۸) یہ دوسرے عاجز یعنی عارف الدین خان عاجز کی تصنیف ہے، ان کے باپ عالمگیر کے عہد مین بلخ سے آے تھے، عارف الدین کی پیدائش ہندوستان مین ہوئی، نواب نصرت جنگ لشکر خان کے توسط سے دربار آصف جاہی مین باریاب ہوئے، منصب عطا ہوا اور فوج کے بخشی قرار پائے، فارسی اور اردو مین شعر کہا کرتے، تاریخ گوئی کا خاص ملکہ تھا، ۱۱۸۶ھ مین انتقال ہوا،

(از چمنستان شعرا)

اسپرنگر نے لال گوہر کے مصنف کے ذکر مین صرف عاجز پر اکتفا کیا ہے مزید صراحت نہین کی،

مصنف کیٹلاگ کتب خانہ ٹیپو سلطان نے تخلص بھی ظاہر نہین کیا ہے۔

اسی مخطوطے کے ضمن مین بلوم ہارٹ نے ملکۂ مصر اور قصۂ فیروز شاہ کو ایک ہی ظاہر کیا ہے (صفحہ ۵۹ سطر ۲) حالانکہ یہ صحیح نہین جیسا کہ قبل ازین بتایا گیا،

(۹) قصۂ ابو شحمہ (نمبر ۱، صفحہ ۳۴) اس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ فارسی کا ترجمہ ہے جسکو مصنف نے اپنی سولہ سالہ عمر مین سلطان ابو الحسن تانا شاہ کے زمانہ مین لکھا تھا (سطر ۱۶)

یہ صحیح نہین ہے بلکہ خود کتاب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فارسی کی تصنیف سلطان عبد اللہ قطب شاہ کے عہد مین ہوئی تھی چنانچہ ذیل کے مدحیہ اشعار سے اس کی تائید ہوسکتی ہے:۔

حسن شاہ عبد اللہ آفاق گیر — کہ سارے شہان مین سو تون ہی کبیر

نون ہین گیان دیتا ہے عالی نول — خدا نے دیا تجہ معانی فضل

ترا نانون شاہان مین معمور ہے — ترا کھر کہ ساریان مین مشہور ہو

امید ہے جو مجکون کرے شہ قبول

زبرکت محمد و آلِ رسول

اور پھر دکھنی ترجمہ کا مصنف وہی امین نہین ہے جس نے اس کو فارسی مین لکھا تھا، چنانچہ ذیل کے اشعار سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ فارسی قصہ ابو شحمہ کا مصنف ایک دوسرا امین ہے،

اتھا ان عمل یو قصا فارسی — نظم خوش دعا دل کا ہے آرسی

سمایا اس مین جو عدینک کے سار — نزاکت لطافت مین ہی خوش نگار

یو تصنیف نصیحت ہے اللہ کا — کہی سو مدت پاے اللہ کا

تخلص انو کا جو نامی ا ہے، — یو نا مین تخلص کرا مین ا ہے

پردتی انہی دور یو اس وقت پر — اتھی ان کی سولا برس کا عمر

یو دل کی صدق سون اپی ہو غواص — نیکالی یو موتیان عجب نیک خاص

دیکھا مین قصا یو لطافت بھریا — لطافت بھریا ہور نزاکت بریا

شکر مین جو کرتا ہون اس بات پر — قصہ یو پورا ہوی مری ہات پر

. . . .

خدا مدت منجہ ہدایت ہوا — بڑی فکر سون مین مرتب کیا

البتہ اس دکھنی ابو شحمہ کی تصنیف سلطان ابو الحسن تانا شاہ کے عہد مین ہوئی ہے کیونکہ اسکا سنہ تصنیف سنہ ۱۰۹۰ھ ہے، جو ذیل کے اشعار سے واضح ہے اور اس زمانہ مین تانا شاہ حکمران تھا

برس یک ہزار ہور نو وسال مین — رجب کی ستاویں وین رات مین

کہ توفیق خدا نے منجے جب دیا — تدان یو قصا مین مرتب کیا

(۱۰) مثنوی پھول بن (نمبر ۲، ۱۰، صفحہ ۵۵) اس کی تفصیل مین جو شعر صفحہ (۵۵) کے آخر درج ہوا ہے، وہ غلط ہے دراصل "تیس پر چار" ہونا چاہیے، "نہ کہ تین پر چار"

مگر سب سے بڑی فروگذاشت جو اس مخطوطے کے متعلق ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ابن نشاطی کے اصل قصہ کا اضافہ جو قلعہ داران سدھوٹ کے زمانہ مین محمد حیدر جعفر نے کیا ہے اسکی صراحت کٹیلاگ مین نہین ہے حالانکہ اسکی وضاحت نہایت ضروری تھی،

محمد حیدر ابن جعفر قلعہ دار سدھوٹ نواب عبد الحمید خان کے دربار کا شاعر تھا اُن کے عہد مین عبد الکریم ولی عہد قلعہ دار کے ایمار سے (۳۰۰) سے زیادہ شعر اس نے اضافہ کئے ہین جسمین "سنمبر" کے شادی کے حالات مذکور ہین، چنانچہ اسکی تائید ذیل کے اشعار سے ہوسکتی ہے،

نو عبد الحمید ہے نام اس کا — عدل انصاف ہے جم کام اس کا

. . . .

کریم صاحب اہے اس نیک کا نام اہی جیون نام ان نیک نام

کریم ان کو دیا ہے نام بھی نیک دیا ہے اس موافق کام بھی نیک

اچھے تقصیان سے ان کو اوک ذوق کھا نیان سون اچھی دن رات سے شوق

قصے کون پھول بن کے دوستی جب بچارے یون الپس دل انو تب

حکایت ہے سنبر کی بہوت خوب سگل اس کا بیان ہے بہوت محبوب

ولی نہین بھاؤ کا مذکور ہے کچ نہ ہلدی تیل کا دستور ہے کچ

کچ یک شمہ سخن کا مج منی پائی سون یون اس بھاؤ کا مج حکم فرمائی

. . . .

کرے جب حکم سون یون مج سرفراز حکم پر ہین کیا گنج سخن باز،

محمد حیدر خود کو ابن جعفر سے مخاطب کرتا ہے، چنانچہ کہتا ہے،

ختم کر ابن جعفر گوش تون دھر اتا ابن نشاطی کے بچن پر

محمد حیدر کا اضافہ ابن نشاطی کے ذیل کے شعر کے بعد ہوا ہے،

عدالت کار کہ اپنی سیس پر تاج فراغت سون سدا کرتا رہا راج

یہ اضافہ شدہ اشعار ہندوستان کے کسی نسخہ مین میری نظر سے نہین گذرے، اور خود انڈیا آفس کے دوسرے نسخہ (نمبر ۱۲۲ صفحہ ۶۴) جو ۱۲۳۴ھ مین لکھا گیا ہے موجود نہین ہین، علاوہ ازین رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخہ مین بھی یہ عدم موجود ہین، انڈیا آفس والا نسخہ بہت ممکن ہے کہ قلعہ راان سدھوٹ کا اصلی نسخہ ہو، یہ نسخہ میسور کی فتح کے بعد یہان آیا ہے، مخطوطے کا مطالعہ کام وغیرہ اس کی تائید بھی کرتا ہے،

افسوس ہے کہ ابن نشاطی کے حالات بھی گوشۂ گمنامی مین ہین، اسپرنگر اور ڈی تاسی وغیرہ نے بھی اس پر روشنی نہین ڈالی ہے،

ابن نشاطی بھی سلطان عبداللہ قطب شاہ کے دربار کا باکمال شاعر ہے، اسکی دو مثنویون کا پتہ چلتا ہے، پھول بن اور طوطی نامہ مگر آخر الذکر نایاب ہے، ممکن ہے یورپ کے کسی اور کتب خانہ مین اسکا کوئی نسخہ ہو،

(۱۱) قصہ چندر بدن ومہیار (نمبر ۱۰۰ صفحہ ۵۳) اس کے مصنف کا نام عزیز بتایا گیا ہے، حالانکہ یہ عزیز کی تصنیف نہین بلکہ مقیمی کی تصنیف ہے اور خود مصنف نے متعدد جگہ اپنے تخلص کو ظاہر کیا ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:-

مقیمی بچن کا ترنگ سار تون بسر کر چلیا کان تون مہیار کون

شرح مست مقیمی پرت مہیار کا قصہ کر تون پورا مہیار کا

دنیا تو فنا ہے مقیمی سہی رہیگی بچن کی نشانی رہی

علاوہ ازین ڈاکٹر اسپرنگر نے بھی اسکو مقیمی کی تصنیف بتایا ہے (ص ۶۲۵)

قصہ کی جو صراحت کیٹلاگ مین ہوئی ہے وہ بھی نظر ثانی کی محتاج ہے، دراصل قصہ اس طرح نہین ہے، جیسا کہ کیٹلاگ مین مذکور ہے،

مقیمی بھی قطب شاہی ہند کا شاعر ہے جو عبداللہ قطب شاہ کے دور مین تھا، اس کے حالات بھی تاریکی مین ہین،

(۱۲) منطق الطیر (نمبر ۱۲ صفحہ ۶۳) اس کے مصنف کا نام بھی غلط ظاہر کیا گیا ہے، یہ وجدی کی تصنیف ہے جسکا نام وجہ الدین تھا، اُن کی تین مثنویان مشہور ہین،

(۱) تحفۂ عاشقان جس کی تصنیف ۱۱۱۵ھ مین ہوئی ہے،

(۲) منطق الطیر جس کا نام پنچھی باچہ بھی ہے، یہ ۱۱۳۱ھ مین مرتب ہوئی ہے،

(۳) مثنوی باغ جان فزا جو ۱۱۴۵ھ مین تصنیف ہوئی ہے،

منطق الطیر شیخ فریدالدین عطار کے منطق الطیر کا ترجمہ ہے، یہ بمبئی مین طبع ہوا ہے،

کتاب کے نام اور وجدی کے ثبوت مین ذیل کے اشعار دیکھو:-

یادگاری خلق عالم پر رکھا — ناؤن اس کا مین پنچھی باچا کیا

بخش وجدی کون بھی لے فریاد رس P.123 — یون دعا مانگی ہے گرچہ شیخ اپس P.3 A.

اسرار وجدی کون نہین تجھ باج کوئی — جیسے خلاصی منجکون بھی دوزخ کی ہوئی P.6.9

(۱۳) پدماوت (نمبر ۳ III، صفحہ ۳۶) اس مخطوطے کے ضمن مین بہت کچھ صراحت کیجاسکتی تھی، جو دوسرے مخطوطے نمبر (۱۶۶ صفحہ ۸۶) مین کیگئی ہے اسمین اس کو بھی شامل کرنا چاہیئے،

علاوہ ازین چند دیگر فارسی اور دکھنی مخطوطون کا ذکر ضروری تھا لہذا ان کی پوری صراحت کیجاتی ہے،

پدماوت کے قصہ کو اولاً ۹۴۷ھ مین ملک محمد جائسی نے شیر شاہ سوری کے حکم سے "بھاکا" مین مرتب کیا تھا اس کے بعد مختلف شاعرون نے اسکو فارسی نظم مین منتقل کیا چنانچہ اسکی صراحت درج ذیل ہے،

(الف) شیخ محمد بزمی نے ۱۰۲۸ھ مین بعہد جہانگیر بنام "پدماوت" مرتب کیا یہ نسخہ انڈیا آفس مین موجود ہے

(ب) عاقل خان رازی نے ۱۰۷۹ھ مین بنام "شمع و پروانہ" اس کو نظم کیا یہ بھی انڈیا آفس مین موجود ہے

(ج) ۱۱۰۱ھ مین حسام الدین نے بنام حسن و عشق اس کو نظم کا جامہ پہنایا یہ برلن مین ہے،

ان نظمون کے علاوہ لچھمی رام متوطن ابراہیم آباد نے قصہ فرح بخش کے نام سے رازی کے شمع و پروانہ کو فارسی نثر مین مرتب کیا، یہ نسخہ برٹش میوزیم کے نمبر $\frac{1819}{ADI}$ پر موجود ہے ایک اور فارسی نثر مین بطور خلاصہ نواب ضیاء الدین احمد خان نے مرتب کیا تھا، یہ بھی میوزیم کے نمبر $\frac{1941}{ADD}$ پر موجود ہے، دکھنی زبان مین اسکو دو شاعرون نے نظم کا جامہ پہنایا ہے،

(۱) زیر بحث مخطوطہ جسکو غلام علی نے سلطان ابوالحسن تانا شاہ قطب شاہی دور کے آخر فرمانروا کے عہد مین بنام پدماوت مرتب کیا ہے، اس مخطوطے مین بادشاہ کی مدح بھی درج ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو،

شہی بوالحسن اولیا جاہ کا — بو بعد از کرون مین ثنا چار یار کا

ہبے ظلم سٹ دیکھ عادل نپٹ — کنک شاہ اُس کا عدالت و حکمت

مگر حق اوتاریا ہے اوسکی باب — سخاوت مین مشہور جون آفتاب

نہین کوئی ہم تا شجاعت منی — ہر یک علم مین ہور بلاغت منی

مبارک اچھو سلطنت تخت و تاج — سزاوار اچھو اسکی جم پور راج

یہ کتاب کتب خانہ ٹیپو سلطان مین موجود تھی جیساکہ کیٹلاگ مرتبہ اسٹوارٹ STEV ART کے نمبر XII سے واضح ہے،

انڈیا آفس کا یہ نسخہ نامکمل ہے، ممکن ہے یورپ کے دیگر کتب خانون مین اس کا کوئی نسخہ ہو،

(ب) اس قصہ کو وَلی ویلوری نے بنام "قصہ رتن و پدم" منظوم کیا تھا، اور یہ کتب خانہ شاہان اودھ مین موجود تھا، جیساکہ اسپرنگر نے صراحت کی ہے، (ص ۶۴۱)

"شمع و پروانہ" رازی، "پدماوت" بزمی، "فرح بخش" لچھمی رام "مثل شمع و پروانہ" عبرت اور پدماوت غلام علی کا مین نے مقابلہ کیا، ہر ایک کے قصہ کی صراحت مین کمی و بیشی پائی جاتی ہے، اسکی پوری صراحت کا یہ موقع نہین ہے، اسکی صراحت مین انشاء اللہ اپنی تالیف مین کرونگا،

اسٹوارٹ اور اسپرنگر دونون نے مصنفین کے متعلق کوئی وضاحت نہین کی ہے، اور نہ ڈی ٹاسی نے اس کے متعلق کچھ لکھا ہے،

(۱۴) دیوانِ سراج (نمبر ۱۹، صفحہ ۱۰۸) اگرچہ یہ سراج کے دیوان کا ایک مختصر سا انتخاب ہے مگر سراج کے متعلق صراحت ضروری تھی کیونکہ یہ دکن کا ایک مشہور باکمال شاعر تھا،

سراج کا نام سید سراج الدین ہے، اورنگ آباد کے رہنے والے تھے، ۱۱۲۷ھ مین تولد ہوئے ۱۱۷۷ھ مین انتقال ہوا، دیوان، کلیات اور ایک مثنوی بوستانِ خیال اپنی یادگار چھوڑین، سراج پرگو شاعر تھے، صرف چار سال کے عرصہ مین دیوان مرتب کر دیا، ان کی زندگی مین ہی ان کے کلام نے کافی شہرت حاصل کر لی تھی، مضامین کی شگفتگی اور خیالات کی بلندی کے ساتھ کلام کی سادگی اور صفائی سے حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر صاف زبان جو آج بھی مستعمل ہو سکتی ہے کس طرح احاطۂ تحریر مین آئی، (دکن مین اردو)

(۱۵) مثنوی عشقِ صادق (نمبر ۳ II، صفحہ ۳۰) اس کے مصنف ضعیفی کے تخلص ظاہر کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، مثنوی کا کوئی نام نہین ہے مگر بلحاظ مضامین اس مثنوی کو "عشقِ صادق" کا نام دیا جا سکتا ہے،

ضعیفی کا نام شیخ داؤد ہے، آخر دور قطب شاہی کی یادگار ہین، عالمگیری عہد مین بھی موجود تھے، انکی ایک دوسری تصنیف "ہدایت نامہ" ہے، جسمین انھون نے اپنے نام کی صراحت کی ہے اور عالمگیر کی مدح کی ہے، ہدایت نامہ ۱۱۰۰ھ مین لکھا گیا ہے، (از رسالہ تجلی جلد ۲ نمبر ۳)

(۱۶) "ظفر نامہ" (نمبر ۱۰۹، صفحہ ۵۸) اس کے متعلق جو فروگذاشت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ کیٹلاگ سے معلوم نہین ہوتا کہ یہ مثنوی سلطان ابو الحسن تانا شاہ کے عہد مین تصنیف ہوئی ہے، حالانکہ خود مصنف نے اس کی صراحت کی ہے، چونکہ دیگر مثنویون مین اسکی صراحت کیگئی، لہذا اس کے متعلق بھی ضروری تھا، خصوصاً جب کہ مصنف کو اس امر کا دعویٰ ہے کہ ان کی تصنیف "شاہ نامہ" فردوسی سے ممتاز ہے،

خاتمہ کے اشعار درج کئے جاتے ہین:-

کہ فی الجملہ کر دیتا ہون عیان — مرتب کیا ہور کہان سو بیان

تھا جب دور سلطان شہ بو الحسن — شہر حیدر آباد ان کا وطن،

کیا تب ظفر نامہ کا مین بنا — مرتب کئے لک سونا چپ رہا

محرم کا جب بدر پورا ہوا، — ظفر نامہ کا تب ظہورا ہوا

. . . .

ہون سلطان عبداللہ کے دور کا — شجاع ہور سخی ہون بڑی تور کا

تاریخ تصنیف بھی خود انھون نے بیان کر دی ہے،

سنہ یک ہزار و نو و پانچ پر — بنا کر مرتب کیا یو اچھر

(۱۷) قصیدۂ بردہ (نمبر ۳۲ صفحہ ۱۴۱) اس کتاب کے ضمن مین بتایا جا سکتا تھا کہ کہان اور کب مرتب ہوئی، خود کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ عبداللہ کے عہد مین مرتب ہوئی ہے، یہ اور ان کا خاندان نواب عبدالنبی خان، عبدالحمید خان، عبدالکریم خان وغیرہ سدھوٹ کے قلعہ دار تھے، مگر ان کی حالت خودمختاری کی سی تھی، یہ بڑے علم دوست تھے ان کے زمانہ مین دکھنی زبان مین متعدد تصنیفات ہوئین، ولی ویلوری اسی خاندان کے دربار سے متعلق تھا جس نے روضۃ الشہدا اور رتن و پدم تصنیف کین، محمد حیدر نے ان ہی کے زمانہ مین ابن نشاطی کے پھول بن کا اضافہ کیا جس کا ذکر گذر چکا اور قصیدہ بردہ کا ترجمہ ہوا، بہرحال قلعہ داران سدھوٹ کے زمانہ مین علم و فن کی خاصی ترقی ہوئی ہے،

(۱۸) دوازدہ مجلس (نمبر ۴۵ صفحہ ۲۷) اس کے دکھنی ہونے کی صراحت کیٹلاگ مین نہین ہے اور نیز مصنف کا نام ظاہر نہین کیا گیا ہے:-

یہ بھی دکھنی زبان مین ہے اور اس کا مصنف "عطا" ہے جیسا کہ مندرجہ نوحون سے معلوم ہوتا ہے، مثلاً،

قاسم کا آج پڑ گیا ماتم جہان مین — خاموش اے عطا کہ وہ نوشاہ مرگیا

(۱۹) قصہ حسینی (نمبر ۲۲۳ صفحہ ۱۲۲) اس مخطوطے کا نام ظاہر نہین کیا گیا ہے، مگر جیسا کہ خود اس سے معلوم ہوتا ہے اس کا نام "قصہ حسینی" ہے، چنانچہ لکھتا ہے،

دھرون نام قصہ حسینی لگر — یہی کہ کوئی ایسا نکتے بسر

قصیان مین تصا یو اہے ابدار — حسینی قصہ یو اہے آب دار
P.80A.

کیٹلاگ مین اسکی تصنیف سنہ ۱۱۹۰ھ ظاہر کیگئی ہے، مگر ذیل کے شعر کے لحاظ سے مین سنہ ۱۰۹۰ھ قرار دیتا ہون،

تھے ہجرت نود پر ہزار یک سنہ — گذر کے بنی بافنا ہو ر رہ سنہ
P.145 B.

اور خود زبان کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قطب شاہی دور کی تصنیف ہے،

کیٹلاگ مین اس کے مصنف کا نام "عزیز" بتایا گیا ہے، مگر میری رائے مین "عزیز" صحیح نہین ہے بلکہ "خواص" معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ متعدد جگہ مذکور ہوا ہے اور اس طرح مذکور ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہی مصنف ہے،

سنیا کان دھر جب بچن خواص یو — سرن کر کھیایون نپت داس ہو
P.69B.

ہو دین خواص ہور عام کون قام یو — رہین بعد میری میرا نام یو،
P.80A.

رکھین بھی چرن پاس بنی خواص کے — گل اندام نازک مشک باس کے
P.146A.

ای یاران سنو یہی علی خواص کے — کیا صنعت جب مین ایسی ذات کے
P.145.A

(۲۰) دیوانِ ولی (نمبر ۱۲ا صفحہ ۶۰) ولی کے متعدد دیوان ہین، اور ان کے معائنہ سے خود ولی کے نام اور وطن کی صراحت معلوم ہوئی ہے، چنانچہ نمبر $\frac{115}{P.62}$ سے ظاہر ہوتا ہے ان کا نام ولی محمد تھا اور یہ دکن کے باشندے تھے،

یہ دیوان ابو المعالی کے فرزند کا مرتب کردہ ہے اور یہ ابو المعالی وہی بزرگ ہین جنکے ساتھ ولی نے دہلی کا سفر کیا تھا اس لحاظ سے ان کی رائے زیادہ قرینِ قیاس ہے،

کیٹلاگ کے صفحہ (۶۱ سطر ۲ کالم ۲) جو مفہوم ظاہر کیا گیا ہے، وہ صحیح نہین ہے بلکہ اصل مفہوم یہ ہونا چاہئیے کہ اس صفحہ پر جو فارسی اشعار درج ہین، ان کے متعلق کاتب نے صراحت کی ہے کہ وہ کس

کی کتاب سے نقل کئے گئے ہین، چنانچہ اصل عبارت حسب ذیل ہے،

"از کتاب تصنیف محمد حسن نقل کردہ بتاریخ ۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۱۸۲ھ از دست شیخ احمد عرف احمد علی احمد آبادی در خجستہ بنیاد"

کیٹلاگ مین دیوانون کے اندراجات کے متعلق جو صراحت ہوئی ہے وہ درست نہین ہے، اس مین بہت کچھ تغیر و تبدل ہونا چاہئیے، اصل دیوانون مین غزلون کے علاوہ جن اصناف مین کلام موجود ہے اس کے متعلق ہر دیوان کی صراحت کیجاتی ہے،

(۱) دیوان نمبر ۱۱۳ اسمین غزلون کے علاوہ مستزاد (۲) مخمس (۹) ترجیع بند (۲) مثنوی (۲) قصیدہ (۴) اور رباعی (۲۷) فرد (۱۰۴) ہین،

(۲) دیوان نمبر ۱۱۴ اسمین غزلون کے سوا، مستزاد (۵) مخمس (۷) ترجیع بند (۲) مثنوی ایک، مثلث ایک، چار در چار ایک، قصیدہ ایک، بازگشت ایک، دس رباعی اور (۶۴) فرد ہین،

(۳) دیوان نمبر ۱۱۵ اسمین غزلون کے علاوہ مستزاد تین، مخمس، آٹھ، ترجیع بند، دو، قصیدہ پانچ، قطعہ ایک، رباعی (۲۶) اور فرد (۲۹) ہین،

(۴) دیوان نمبر ۱۱۶ غزلون کے قطع نظر مستزاد چار، ترجیع بند دو، مثنوی دو، قصیدہ چھ، قطعہ ایک، رباعی (۲۲) فرد (۲۹)

(۵) دیوان نمبر ۱۱۷ علاوہ غزلون کے مستزاد چار، مخمس تین، ترجیع بند ایک، چار در چار ایک، مثلث ایک، قصیدہ دو، بازگشت ایک، اور گیارہ رباعی ہین، افراد نہین ہین،

(۶) دیوان نمبر ۱۱۸ اسمین غزلون کے علاوہ مستزاد تین مخمس دو،

(۷) دیوان نمبر ۱۱۹ مین صرف غزلین ہین، یہ ناقص آخر ہے، اور ابتدا مین بھی چند اوراق نہین ہین،

(۸) دیوان نمبر ۱۲۰ اسمین علاوہ غزلون کے دو مستزاد اور دو مخمس اور ایک ترجیع بند بھی درج ہے،

(باقی صفحہ ۳۴۶ پر دیکھو)

(۲۱) حیدر نامہ (نمبر ۲۴ صفحہ ۲۰) اس مخطوطے کا ایک مکمل نسخہ برٹش میوزیم کے نمبر (۱۱، ۶، ۷ صفحہ) پر موجود ہے، انڈیا آفس کا نسخہ نامکمل ہے،

(۲۲) قصہ بی بی مریم (نمبر ۳/۱ صفحہ ۳۵) اس کا بھی ایک نسخہ برٹش میوزیم کے (۱۷،) پر موجود ہے، اس کی صراحت بھی ضروری تھی،

(۲۳) جنگ نامہ (نمبر ۱۰۸ صفحہ ۵۷) کٹیلاگ مین جو اشعار اسکی تصنیف کے متعلق درج ہوئے ہین وہ غلط ہین ان سے اصل مفہوم حاصل نہین ہو سکتا اور اصل مخطوطے مین وہ اس طرح درج ہین:

یو جنگ عظیما کیا سر بسر — تھی تاریخ تدھان جان خیر البشر

یو سیوک تو ہجری کی ری سال تھی — ہزار یک نو و دو کے اپرال تھی

(۲۴) در مجالس (نمبر ۱۵۸ صفحہ ۸۱) اس مخطوطے کے متعلق جو اشعار کٹیلاگ مین درج ہین وہ مقدم اور موخر ہونے چاہیین کیونکہ اصل مخطوطے مین وہ اس طرح نہین ہین جس طرح کہ کٹیلاگ مین درج ہوئے ہین

(۲۵) بکٹ کہانی (نمبر ۱۲۹ صفحہ ۸۸) یہ مخطوطہ پنجابی زبان مین ہے جیسا کہ مؤلف "پنجاب مین اردو" نے تفصیل سے صراحت کی ہے، علاوہ ازین مخطوطے نمبر (۹۳/۱۱۱ صفحہ ۴۸) کے اشعار سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے کہ محمد افضل گوپال پنجابی تھا چنانچہ ملاحظہ ہو،

بکٹ افسانہ کاہے یہ لو بٹھیا — دونون کی تان جنا ہے دوی میا

اُس افضل کہ جس کا نام گوپال — کہ تھا وہ نار لولی صاحب حال

(۲۶) بوجھ نرنجن (نمبر ۴ صفحہ ۲) کٹیلاگ مین اسکو بھی "دکھنی" ظاہر کیا گیا ہے، حالانکہ طرز عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دکنی نہین بلکہ شمالی ہند کی ہے،

(حاشیہ صفحہ ۳۶۷) لہ انڈیا آفس کے ولی کے دیوان بعض خاص حالات کے لحاظ سے قابل قدر ہین، اس سے ولی کا نام اور انکا وطن بخوبی معلوم ہوتا ہے، کلیات ولی مطبع انجمن ترقی اردو مین جو کلام شائع ہوا ہے، اسمین بہت کچھ اضافہ کی گنجایش ہے، آیندہ کبھی اسپر روشنی ڈالی جا سکتی ہے،

(۲۷) ایک عام فروگذاشت کٹیلاگ مین یہ ہوئی ہے کہ فنون کے لحاظ سے جو تقسیم کیگئی ہے اسپر پوری توجہ نہین کیگئی ہے، مثلاً خاور نامہ جو تاریخ نہین ہے، تاریخ رکھا گیا ہے، اور فتح نامہ ٹیپو سلطان (۱۲۵) جو منظومات مین رکھی گئی ہے، تاریخ ہے، قصص کا عنوان علیحدہ رکھا گیا ہے، اور منظومات کا علیحدہ، چند منظوم افسانے مثلاً (۱-۲-۳-۴-۵) قصص کے تحت رکھے گئے ہین، اور چند مثلاً (۹۹-۱۰۰-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰) وغیرہ منظومات کے تحت، اسی طرح بعض مذہبی نظمون کو منظومات کے تحت درج کیا گیا ہے مثلاً (۱۲۸) اور بعض کو دینیات کے تحت مثلاً (۲-۳-۴)

(۲۸) بعض طباعت کی غلطیان رہ گئی ہین، مثلاً

صفحہ ۵ سطر ۱، بجائے "گود کندہ" کے "نود گندہ" درج ہے،

صفحہ ۶۳ سطر بجائے "سعادت بندر" کے سعادت مند درج ہے،

صفحہ ۶۵ سطر ۵ بجائے "[illegible]" کے "[illegible]" درج ہے،

یہ کل صراحت صرف ان مخطوطون کی ہے، جو دکھنی ہونے کے باعث مین نے دیکھے ہین، اس طرح ممکن ہے دیگر مخطوطون مین بھی فروگذاشتین ہوئی ہون،

مادہ کی ماہیت

کی نسبت

سائنس کے تازہ ترین تصورات،

از

ج، ر، ر، ہوشیارپور (پنجاب)

مادہ کی بابت ہندو فلاسفرون کی خیال آفرینیان

زمانۂ قدیم بعید سے ماہیتِ مادہ اربابِ فکر کا نہایت پسندیدہ موضوع چلا آیا ہے، گذشتہ نصف صدی کی تحقیقات کے رو سے تاریخِ فلسفہ کے بابِ[1] اول کا آغاز ہندو فلاسفرون کے فلسفی خیالات کے تذکرے سے ہونا چاہئے، جس سے یہ امر خوب واضح ہوتا ہے کہ عالی دماغ اہلِ ہند نے اس ذخار اور جامع مسئلہ کو اپنے جداگانہ طریقہ سے حل کرنے مین قابلِ تحسین دماغ سوزی اور بلند پایہ فلسفیانہ استدلال سے کام لیا تھا۔ وشیشک[2] درشن کے بانی، کناد، اور اس کے بالغ فرد مقلدون نے طبیعیات

[1] سویڈن کے محقق، کمونٹ بجورنسٹ جرن، سر ولیم ہنٹر، کول بروک، سر مانیئر ولیمز، اور بعض فرانسیسی ماہر یونانی فلسفہ کا ماخذ ہندو فلسفہ قرار دیتے ہین، ڈاکٹر این فیلڈ اپنی تاریخِ فلسفہ مین لکھتے ہین: کہ فیثاغورث، انکسارخوس، پیرو، اور دیگر حکما ہندوستان کو تحصیلِ علوم کے واسطے گئے تھے، (صفحہ ۶۵ جلد اول) مسٹر ایلک، اور کول بروگ، اور دیگر مستشرقین بھی اسی رائے کے حامی ہین[2] نیائے درشن اور ویشیشک درشن کے مصنف اور ان کے مقلد سالمات کو قدیم مانتے ہین جو عالم کی علت مادی قرار دیئے گئے ہین، اول الذکر نے مابعد الطبیعی اور موخر الذکر نے طبیعی طریقِ استخراجِ نتائج سے مادہ کو ازلی تسلیم کیا ہے۔ انکا کلیہ یہ ہے جو مادیات کسی علت سے وجود حاصل نہین کرتین، وہ قدیم مین جن چیزون کا ہمین ادراک اور احساس ہوتا ہے وہ حادث ہین، اور حادث کیساتھ قدیم کا خیال لازم و ملزوم ہے۔ سانکھ درشن والے جو بیس عناصر مانتے ہین، کہ جنمین پرکرتی بھی ہے، جو علتِ اولین ہے، (ج۔ ر۔ ر)

کے طریقۂ استدلال سے ہدایت پذیر ہو کر اپنے معاصرین اور نیز متاخرین کو اپنا گرویدہ بنالیا، چارواک[1] کا بانی برہسپتی مادہ کا اس قدر مفتون ہوا، کہ اسے عالم اور مافی العالم کے پس پشت وجود اولین، اور علت العلل، مادہ کے سوا اور کچھ بھی نظر نہین آیا بعض حکما[2] کے تخیلاتِ لطیفہ نے یہان تک پرواز کی کہ خدائے ذوالجلال کے علاوہ مادہ کو بھی وجود قدیم تسلیم کرلیا، جین[3] مت کے بانیون نے قادر علی الاطلاق خدا سے انکار کرکے مادہ کی قدامت اور عمومیت کی حمد و ثنا اپنا فرض مقدس تصور کیا،

قدیم مادہ، یونانی اور مغربی حکما اور انیسوین صدی کے ماہران سائنس،

یونانی حکما نے اپنے زمانۂ عروج مین مادہ کی اصلیت کی بابت قیاسات دوڑائے اور اپنا نظریہ معقول صورت مین پیش کیا، اس کا بانی لیوسیپس تھا جس کے شاگرد رشید ڈیمو قریطس (Democret) نے اسے صورت منظمہ مین پیش کیا جسکا تتبع متاخرین نے اپنا فرض اولی سمجھا، افلاطون نے ہندو حکما سے اتفاق رائے کرکے مادہ کو وجود ازلی تسلیم کیا، مگر وہ اسے ہر قسم کے خواص سے معرا تصور کرتا ہے، ڈاکٹر جیمز مارٹی نیو برطانیہ کے بلند پایہ فلاسفر بھی اسی خیال کے حامی تھے، مگر وہ یہ بھی مانتے تھے کہ گو مادہ قدیم ہر قسم کے خواص سے بیگانہ ہے، مگر خدا جب مناسب سمجھتا ہے، اسے ضروری اوصاف سے متصف کردیتا ہے، مارٹی نیو کا معاصر جان بل، انیسوین صدی کا دوسرا سر برآوردہ فلاسفر تھا، جو محض مادہ ہی کو قدیم نہین سمجھتا بلکہ اسے قوت سے بھی آراستہ مانتا تھا، بعض جرمن فلاسفر بھی مادہ کو قدیم تسلیم کرتے تھے، کارل پیرس کی رائے مین

[1] چارواک فرقہ کے حکما مادہ پرست تھے، وہ خدا کی ہستی سے منکر، وجود اولین مادی تسلیم کرتے تھے [2] جس فلاسفر نے مسئلہ تناسخ وضع کیا تھا، اس نے خدا کے علاوہ روح اور مادہ کو بھی قدیم قرار دیا تھا، اس عقیدہ کی رو سے تخلیقِ عالم سے انکار اور سلسلۂ کون و فساد غیر متناہی ماننا لازمی ہے، ہندو حکما شروع ہی سے تین قدیم ہستیون کے قائل تھے، گو ویدانت کے مقلد اسکے مخالف ہین آریہ سماج کے وکلا تھوڑے عرصہ سے اس پرانے عقیدہ کی تجدید کے درپے ہین، [3] جین مت کے رو سے مادہ جوہر قدیم ہے، جو سالمات کا مرکب تسلیم کیا گیا ہے، موجوداتِ عالم سوائے روح اور ظرف کے اسی سے وجود حاصل کرتی ہین، ذرون کی جمع اور تفریق کے بغیر ہی اسکی مقدارین کم بیشی ہوتی رہتی ہے، بودھ دھرم کا فلسفہ قدمِ مادہ سے منکر ہے۔ (ج ر ر)

دوسرا وجود ازلی ظرف (Space) ہے، مگر ان فلاسفرون کے ہم عہد ماہران سائنس جنکا قول ناطق سمجھا جاتا تھا، ان کے اس نظریہ کے مخالف تھے، مشہور ماہر فلکیات سر جان ہرشل راوی تھے، "اکتشافات موجودہ بالاسے یہ امر بخوبی ثابت ہو چکا ہے، کہ قائم بالذات مادہ کا نظریہ معقول مسلمہ نہین ہو سکتا، کیونکہ اس کے اجزاے ترکیبی (سالمات) کی نوعیت اسلی انھین صنعت یافتہ قرار دیتی ہے"[1] "عالم غیر مرئی (ان سین یونی ورس) کے مصنف پروفیسر صاحبان، سٹوارٹ و ٹیٹ لکھتے ہین" "سالمات جو عالم کی گوناگون صورتون کے محرک اور مبنی ہین ان کی ترکیب کی یک رنگی سے یہ خوب ثابت ہے کہ وہ صنعت یافتہ ہین"[2] مشہور ماہر پروفیسر کلارک میکس ویل نے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے نوین[3] اڈیشن مین اور اسٹالو نے اپنی تصورات طبیعیات (صفحہ ۲۸-۲۹) مین اسی خیال کی بڑی قابلیت کے ساتھ حمایت کی ہے، انیسوین صدی کے دوران مین سالمات جو مادہ کے اجزاے ترکیبی سمجھے جاتے تھے، سورج کے مانند پیچیدہ اور ننھے اجزا کے مرکب شمار ہونے شروع ہو گئے تھے، مشہور ماہر پروفیسر جیونز[4] رقم طراز ہین "کیمیاوی سالمات کی ساخت بہت پیچیدہ ہے، خالص لوہے کا ذرہ سیارگان اور ان کے متعلقین کے نظام سے بھی کئی درجے بڑھکر پیچیدہ ہے"

موجودالوقت تصور مادہ | گو سائنس کے مختلف شعبون مین انیسوین صدی مین پچھلی تمام صدیون سے بڑھکر ترقی وقوع مین آئی، جس سے کیمیات اور طبیعیات کے کئی مقبول عام تصورات تہ و بالا ہو گئے، مگر مادہ کا فلسفیانہ تصور بدستور غالب رہا، اور اب تک بلند پایہ چوٹی کے ارباب فکر کا موضوع موزون بنا ہوا ہے، آنریبل برٹرنڈ رسل[5] موجودالوقت فلاسفرون مین سرگروہ شمار ہوتے ہین، چنانچہ آپ نے یہ راے ظاہر کی ہے، "نظریہ اضافیات (Theory of Relativity) نظریۂ اضافیت سے جسکے رو سے تصور زمانہ خیالی ظرف و زمان مین غرق ہو جاتا ہے

[1] ہیج کاک کا "ایلی مینٹس آف جیالوجی" (مذہب ارضیات) ملاحظہ ہو۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۱۳ [3] معقولیت نہم ... [4] ملاحظہ ہو پرنسپلز آف سائنس (سائنس کے اصول اولیہ) جلد دوم ص ۴۵۲ [5] ملاحظہ ہو مقدمہ ہسٹری آف میٹریلزم "(تاریخ مادہ پرستی، مصنفہ لینگ) مطبوعہ لندن ۱۹۲۵ء (جرر)

صدہا سال کے مسلمہ تصور مادہ کو جو صدمۂ عظیم پہنچا ہے، وہ فلاسفرون کی موشگافیون سے ہزارون درجے بڑھکر نتیجہ خیز ثابت ہوگا، عقل سلیم کے نزدیک مادہ خلا مین متحرک اور زمانہ مین قائم چلا جاتا ہے، مگر طبیعیات کے رو سے جنکی بنیاد نظریۂ اضافیات پر ہے، یہ خیال اب معقول ثابت نہین ہوتا،

(۲) مادہ کی ماہیت کا پرانا خیال

مادہ کی چار مشہور صورتین | اس ضروری تمہید کے بعد اب اصل مضمون کی طرف رجوع ہونا لازم ہے، محسوسات اور مظروفات عالم اور ما فی العالم اس جامع لفظ مادہ کے سایۂ عاطفت مین پناہ گزین نظر آتی ہین، اسکی چار مشہور کیفیتین ہین، (۱) ٹھوس (۲) مائع (۳) گیس (۴) غیر مرئی اجزاے لطیفہ جو برقی اثر قبول کرکے عالم بالا کے انتہائی گوشون مین جاکر غائب ہو جاتے ہین، یہ ماہرون کی مخصوص اصطلاح مین "ایتھر" کہلاتا ہے، قواے فطرت مادیات کے اجزاے ترکیبی کو جس تناسب سے باہم دگر پیوست کرتی ہین، اسی مناسبت سے مادہ گوناگون شکلین اختیار کرتا ہے، جب پانی کی حرارت فطری قطعاً مسلوب ہو جاتی ہے، تو برف نمایان ہوتی ہے، برعکس اس کے جب اسے خوب گرم کرو، تو وہی پانی بخارات اور گیس کی شکل قبول کرکے طرفۃ العین مین نظرون سے اوجھل ہو جاتا ہے،

مادہ کا جزو لا یتجزیٰ اسلاف کے خیال کے مطابق | لفظ مادہ باعتبار معانی کے بے حد جامع و مانع ہے، اسلاف ہند اور حکماے یونان محسوسات کو مرکب سمجھتے تھے، عالم و ما فی العالم عناصر اربعہ کی کرشمہ سازیان قرار دیگئی تھین، مٹی، ہوا، پانی، اور آگ جملہ اجسام کائنات کے بانی سمجھے گئے تھے، پھر عناصر[1] اربعہ کے بھی اجزاے ترکیبی تسلیم کئے گئے تھے، جنھین حکماے ہند "آنو"[2] (Atom) یا عامیانہ گفتگو مین "پرمانو" اور یونانی فلاسفر "سالمات" اور اجزاے لا یتجزیٰ (Atom) پکارتے تھے، ان کی راے مین

[1] سانکھیہ فرقہ کے بانی نے پانچوان عنصر "اکاش" قرار دیا تھا، جسے "ایتھر" کے مساوی سمجھا جاتا ہے۔ [2] آنو اجزاے ذرات کی انتہائی صورت مفرد ہے، اس اعتبار سے "آنو" اور "سالمات" اور اجزاے لا یتجزیٰ ہم معنی ہین۔ (جرر)

سالمات کی تقسیم در تقسیم ناممکنات سے تھی، موخرالذکر کے استدلال کا ماحصل یہ ہے:-

"سنگریزہ پیس کر ذرہ ذرہ کردو اور پانی کی بوند ننھے سے ننھے قطرون مین بانٹ دو، نفیس ترین آلات سے حتی الامکان تفریق کرتے چلے جاؤ، مگر آخرکار اسکی حد آجائے گی، جس سے اسکی مزید تقسیم ناممکن العمل ٹھہریگی" اور ان کا یہ خیال معقول تھا" علاوہ برین ان کا یہ بھی خیال تھا، کہ مائعات اور گیس کے ذرے گول ہوتے ہین جو باہم دگر پیوست نہین ہو سکتے، بیشمار ذرے ازل سے خلا مین سرگردان اور باہم دگر ارتباط پکڑتے چلے آتے ہین، جس سے موجودات کی ہستی مرتب ہوئی ہے، (آؤٹ لائن آف سائنس مصنف[1] مضمون نگار کا نام نہین دیا گیا ہے، مگر وہ بلند پایہ ماہر سائنس معلوم ہوتا ہے)

(۳) ڈالٹن کا انقلاب خیز نظریۂ سالمات

متقدمین کے خیال کو تہ و بالا کرنے والا نظریۂ سالمات، سوا سو سال کا عرصہ گذرا، برطانیہ کے سرکردہ ماہر کیمیات، جان ڈالٹن نے پیش کیا تھا، جس سے مابعد کی تحقیقات کے واسطے راستہ صاف ہوگیا، موجود الوقت تصور سائنس کی بنیاد اس کی مساعی حسنہ سے پڑی تھی، ڈالٹن کا نظریہ مختصراً یہ ہے:-

"مادیات چاہے مرکب ہون، یا مفرد اپنے فطری وزن مخصوص کے تناسب معینہ سے باہم دگر ترکیب پاتی ہین، جب کوئی نیا جسم بنتا ہے، تو نئے اور پرانے جسم کا وہ اصلی تناسب مقررہ کے مطابق ارتباط پکڑتا ہے، اسی اصول موضوعہ کی بنا پر اس نے یہ نظریہ قائم کیا تھا، کہ مادہ سالمات سے مرکب ہے، جس سے کیمیات کا کہنہ سال اصول اولیہ بیکار ثابت ہوا، اس نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا، کہ مادہ ایسے ذرون سے بنا ہے، کہ جنکی تفریق[2] در تفریق محالات سے ہے، ہر ایک وجود ایسے ذرون[3] سے بنتا ہے، جو اپنی تمامت اپنی صورت ظاہری، اور وزن مین ایک جیسے ہوتے ہین، مگر مختلف اجسام کے ذرون کا وزن

[1] مشہور زمانہ پروفیسر جے آر تھامسن (ایبرڈین یونیورسٹی) نے آؤٹ لائن آف [illegible] جلد سوم مین ایک معرکۃ الآرا مضمون لکھا تھا، جس سے ڈالٹن کا نظریۂ سالمات ماخوذ ہے (جرر)

مختلف ہوتا ہے اس نے ذرہ چھرے کے دانہ کے مانند قرار دیئے تھے، ڈالٹن کے نظریہ سے تاریخ تصورات مادہ کے باب جدید کی ابتدا ہوئی تھی،

حیرت انگیز صحت و نفاست کے آلات تحقیقات

گذشتہ تیس سال کے دوران مین جو تحقیقات طبعیات اور کیمیات مین ہوئی ہے، اس سے ماہیتِ مادہ کے خیالات مین انقلاب عظیم واقع ہوگیا ہے، انتہا درجہ کے نازک آلات کی بدولت طریقۂ تحقیقات مین اہم تغیر پیدا ہوگیا ہے، انھی عجیب وغریب آلات کے وسیلہ سے سالمات کی تقسیم در تقسیم ممکن العمل ہوئی، اور اجزاے مادہ کے عجیب وغریب خواص دریافت کئے گئے، ترازو ایسے نفیس وضع کئے گیے ہین کہ اگر ایک ہی قسم کے کاغذ کے دو مساوی الحجم پرزے کو اور ایک پرزے پر پنسل سے کوئی حرف لکھکر پلڑے مین ڈال دو تو وہ پلڑا نیچے کو جھک جاتا ہے، جس سے حرف کا وزن ظاہر ہوجاتا ہے، اسپکٹروسکوپ (Spec-troscope) ایسا اعلیٰ پایہ کا اختراع کیا گیا ہے، کہ اگر اس نقطہ کی سیاہی سے جو سی کاغذ پر لکھا ہوا ہے کوئی ذرہ ایک لاکھ درجے کمتر ہو، تو فوراً واضح ہوجاتا ہے، اگر اسی سیاہی کو الکٹروسکوپ (Ele-ctroscope) سے ملاحظہ کیا جاے، تو اسکی تیزی دس لاکھ گنا بڑھجاتی ہے، بولومیٹر (Bolometre) ایسے نفیس تیار ہوگئے ہین کہ $\frac{1}{10000}$ درجہ کی حرارت طرفۃ العین مین آشکارا ہوجاتی ہے، خوردبین ایسی نازک تیار کیگئی ہے، کہ اگر کوئی ذرہ انسان کے سینہ کے $\frac{1}{10000}$ حصہ کے برابر چوڑا ہو، تو بخوبی نظر آتا ہے، وقت کے تخمینہ کے واسطے جو گھنٹے بنائے گئے ہین، ان کے لنگون کی حرکات سے دس لاکھ (۲۷۸) گھنٹے مین، اور ایک ارب اکتیس ہزار (۳۷۵) سال مین ظاہر ہو سکتا ہے، کیا کوئی صاحب خرد یہ گمان کر سکتا ہے کہ ایسی حیرت انگیز نزاکت وصحت کے آلات کی کرامات سے سالمات کے وہ راز ہاے سربستہ آشکارا نہ ہوتے، کہ جنکے انکشاف کے واسطے متقدمین سرگردان اور پریشان خاطر پھرتے تھے،

سالمات کے عجیب غریب خواص وصفات

سالمات نظر نہین آتے، مگر نازک آلات کے وسیلہ سے اُنکا وزن کیا گیا، اور ان کے حجم کا صحت سے تخمینہ بھی ہوچکا ہے، اور ان کی تقسیم در تقسیم بھی ہوگئی ہے، دو یا دو سے زائد سالمات کے اتحاد سے ذرّے ترکیب پکڑتے ہین، اکسیجن کے تین سالمات سے ازون (Ozone) بنتی ہے، جب ہیڈروجن کے دو ذرے اکسیجن کے ایک ذرے سے متحد ہوتے ہین تو پانی ظہور مین آتا ہے، مائعات کے اجزاے ترکیبی قوتِ اتصال (Cohesion) سے باہم دگر پیوست اور قائم رہتے ہین، مگر حرارت سے ان کا اتحاد تہ و بالا ہوجاتا ہے، اور وہ بخارات اور گیس بنکر چارون طرف منتشر ہوجاتے ہین، مگر برودت سے ازسرنو ان کے درمیان موافقت پیدا ہوجاتی ہے، چنانچہ کرۂ ہوا کے معلق بخارات سردی سے مینہ کی بوندون مین تبدیل ہوجاتے ہین، مگر گیس کے ذرے خودسر ہوتے ہین، اور خودبخود حرکت کرتے ہین، اگر اس حرکت کو معزول کرنا منظور ہو، تو یہ صرف انتہا درجہ کی سردی سے ہی ممکن ہوسکتا ہے، چنانچہ اسی طریقہ سے گیس منجمد ہوجاتی ہے جس سے کئی مفید کام لیے جاتے ہین، جیسا بیشمار قرن گذرنے کے بعد آفتاب کی حرارت مسلوب ہوجاے گی، تو کرۂ ارض کا درجۂ حرارت و برودت سنٹی گریڈ کے نقطۂ انجماد سے دوسو درجہ اوپر ہوگا، اس وقت کرۂ ہوا منجمد ہونے سے پینتیس فٹ گہرا منطقہ رونما ہوگا، اور سمندرون مین برف کے بھاری بھاری تودے متمکن نظر آئین گے، ٹھوس اجسام کے ذرے باہم دگر خوب پیوست رہتے ہین، ایک انچ لوہے کی سلاخ مین جو ذرے پاے جاتے ہین، ان کے انتشار اور تفریق کے واسطے پچپن ٹن کی قوت درکار ہوگی، اگر سونے کا پاسہ پارہ مین ڈالو تو وہ اس کے اندر اسی طرح جذب ہوجاتا ہے، جیسے دودھ ڈبل مین سما جاتا ہے، آدھی رتی (ایک گرین) سونے کو کوٹ کوٹ کر اتنا بڑا ورق تیار کرسکتے ہو، کہ جس کا رقبہ (۷۵) انچ مربع ہوگا، ایک گرین نیل سے ایک ٹن پانی کی رنگت بدل سکتی ہے،

اجزاے مادہ کا قطر $\frac{1}{125000000}$ انچ اندازہ کیا گیا ہے، ذرے ایسے لطیف ہوتے ہین کہ ایک انچ مین چالیس کروڑ سما سکتے ہین، صفر کے قطر پر ملیئم کے پچاس لاکھ سالمات آسکتے ہین، آدھی رتی کے $\frac{1}{1000000}$ حصہ کے مساوی ہیڈروجن کے چالیس ارب سالمات ہوتے ہین، اور خاک کی آدھی رتی مین اربون سالمات پاے جاتے ہین عطر اور بعض ادویات کی بو آن کی آن مین سارے کمرے مین پھیل جاتی ہے، جس سے یہ مفہوم ہے، کہ اس کے اجزا بڑی سرعت سے چارون طرف منتشر ہوجاتے ہین، برف پگھلا کر پانی بنانے کے واسطے جتنی حرارت درکار ہوتی ہے، اس حرارت سے اکسیجن کے ذرے پانچ سو گز فی ثانیہ کی رفتار سے حرکت کرتے ہین، مگر ہیڈروجن کے ذرون کی رفتار اس سے چارگنا زیادہ تیز ہوتی ہے، بندوق کی گولی کی تیزی ضرب المثل ہے، مگر ہیڈروجن کے ذرون کی تیزی اس سے بھی تگنی تیز ہوتی ہے، ہوا کے ذرے گرمی کے اثر سے گولی سے بھی بڑھکر تیز ہوتے ہین، ان کی مڈبھیڑ اور ذرون سے $\frac{1}{2000000}$ انچ کے فاصلہ پر ایک ثانیہ مین پانچ ارب مرتبہ ٹکرا ٹکرا کر اپنے صراطِ مستقیم سے روگردانی کرتے ہین، اگر ہیڈروجن کے ذرون سے اسی طرح کام لیا جاے، جیسے بھاپ سے لیتے ہین، تو ایک گرام گیس کے وسیلہ سے $\frac{1}{2}$ ٹن وزن زمین سے چالیس انچ اوپر اٹھ سکتا ہے،

(۵) مادہ کا نظریۂ برقی،

سرولیم کروکس کی تحقیقات کے حیرت انگیز نتائج

موجودالوقت نظریۂ مادہ آناً فاناً معرضِ وجود مین نہین آیا ہے، بلکہ پینتیس چالیس سال کی مسلسل تحقیقات کا معرکۃ الآرا انجام ہے، انیسوین صدی کے آخری ربع مین سرجارج سٹوکس، کلارک میکس ویل، لارڈ کیلون اور ریلے برطانیہ کے چوٹی کے ماہران ریاضیات وطبیعیات تھے، جرمنی مین ان کے ہمعصر اور بلندپایہ محقق، ہلم ہولٹس، ہرٹس [illegible] تھے، جن کی تحقیقات سے مادہ کے نظریۂ برقی (Electrical Theory of Matter) کے واسطے میدان صاف ہوگیا، لیکن تصورات سائنس مین جو سب سے بڑا انقلاب پیدا ہوا ہے،

وہ ایکس رے (X. ray) اور ریڈیم (Radium) کی معرکۃ الآرا دریافت ہے، اول الذکر کے انکشاف کا راستہ سر ولیم کروکس کی تحقیقات کے ناگہانی نتایج سے تیار ہوا تھا، آپ نے یہ امر ثابت کیا، کہ گیس ہوا سے دو کرور حصے بڑھکر لطیف ہے، آپ نے ایک مرتبہ ٹیوب کے اندر گیس بھر کر بجلی چھوڑی تو اسکے لطیف ذرے فی الفور دمکنے لگے، آپ نے ان نورانی ذرون کو مادہ کی چوتھی صورت قرار دے کر انھین "درخشان مادہ" پکارا، مگر اس ناگہانی اکتشاف کی ماہیت بیس سال تک ظاہر نہ ہو سکی، پروفیسر لینرڈ نے سر ولیم کروکس کے اصول کار سے ہدایت پذیر ہو کر ٹیوب کے اندر الومنیم کا پترہ لگا دیا، تو یہ متحد ذرے اسے پیر کر پار ہو گئے، وہ اسے ایتھر کی لہر سمجھا، بعد ازان جرمن کے حلیم الطبع اور شہرت سے بیزار ماہر رون جن (Ronjan) نے ۱۸۹۵ء مین لینرڈ کے طریقہ سے ہدایت حاصل کر کے ایکسرے دریافت کی، اس نے کروکس کے طریق عمل کے مطابق ٹیوب کے اندر ایک قسم کا سیاہ مرکب لگا دیا، جسے نظر انداز کر کے شعاعین پار ہو گئین، پھر اس نے پتھر اور گوشت وغیرہ ٹیوب کے اندر بھر دیا، سب چیر کر وہ دوسری طرف نکل گئین، اب یہ کیفیت ہے، کہ ایکسرے ہر ایک چیز کو چیر کر نکل جاتی ہے،

(باقی)

شاعر کیا ہے؟

از

جناب محمد اسد خانصاحب بی اے ملتان

انگریزی کے مشہور شاعر ورڈز ورتھ کے ایک مضمون کا یہ ترجمہ ہے، یہ مضمون "مستند مصنفین کے ادبی شاہکار" نام ایک انگریزی کتاب سے لیا گیا ہے، اور شاعر موصوف کے بہترین مضامین مین شمار ہوتا ہے، شاعری کے متعلق اگرچہ اردو مین بے شمار مضامین لکھے گئے ہین، لیکن مغرب کے ایک مسلم شاعر کی زبان سے اس موضوع پر اظہار خیالات خالی از فائدہ نہ ہوگا، خصوصاً شاعری اور سائنس کا مقابلہ مصنف نے خوب کیا ہے اور اس عام خیال کی تردید کی ہے کہ سائنس کی ترقی شاعری کے تنزل کا باعث ہوگی، علاوہ ازین یہ مضمون ان شعراے حال کے لیے بھی سبق آموز ہوگا جو مغربی شعراء کی ظاہری تقلید پر آمادہ ہین لیکن ان کے حقیقی معیار سے بے خبر

"اسد"

مضمون کی عمومی حیثیت کے لحاظ سے مین سوال کرتا ہون کہ لفظ شاعر کے کیا معنی ہین؟ شاعر کیا ہے؟ وہ کس سے مخاطب ہوتا ہے؟ اور اس سے کیسی زبان کی توقع رکھی جا سکتی ہے؟

شاعر ایک انسان ہے جو انسانون سے ہم کلام ہوتا ہے، ایک ایسا انسان جسے زندہ احساس، جوش اور لطافت فطرت انسانی کا علم اور وسعت دل اس مقدار سے جو عام بنی نوع انسان مین مشترک خیال کیجاتی ہے، بدرجہا زیادہ بخشی گئی ہے، ایک ایسا انسان جو اپنے جذبات اور اپنی آرزوؤن سے مسرت حاصل کرتا ہے اور اپنی روح حیات سے اور لوگون کی نسبت زیادہ لطف اٹھاتا ہے، وہ دنیا کے واقعات مین بھی اسی قسم کے جذبات

اور تمناؤن کے ظہور کا تصور کرکے خوش ہوتا ہے، اور جہان انھین موجود نہین پاتا وہان انھین خود پیدا کرنے پر فطرۃً آمادہ ہوجاتا ہے،

ان صفات پر مستزاد وہ ایک ایسی طبیعت رکھتا ہے، جو غائب سے عین اُسی طرح متاثر ہوتی ہے جیسے کہ حاضر سے، وہ اپنے اندر ایسے تاثرات پیدا کرسکتا ہے جو البتہ اصل واقعات سے پیدا ہونے والے تاثرات کے بالکل ہمرنگ تو نہین ہوتے، لیکن پھر بھی (خصوصاً جہانتک خوش آیند و مسرت آمیز احساسات کا تعلق ہے) ان اثرات کے مقابلے مین جو اور لوگ محض اپنے دلون کی تحریک سے اپنے اندر محسوس کرتے ہین، حقیقی تاثرات سے بدرجہا زیادہ مشابہت رکھتے ہین، کچھ اس سے اور کچھ مشق سے وہ اپنے خیالات و احساسات کے اظہار کی بھی غیر معمولی قوت پیدا کرلیتا ہے، خصوصاً ایسے خیالات و احساسات جو بالارادہ یا کسی ظاہری تحریک کے بغیر خودبخود اُس کے دل مین ظہور پذیر ہوتے ہین،

لیکن بڑے سے بڑے شاعر مین بھی ہم اس صفت کا کتنا ہی حصہ فرض کیون نہ کرین، ہمین ذرا بھی شک نہین کہ یہ صفت جس زبان کی طرف رہنمائی کریگی وہ اُس زبان سے بہت ناقص رہیگی، جو حقیقی زندگی مین اصلی جذبات کے زیر اثر لوگون کے منھ سے نکلتی ہے، کیونکہ شاعر اُن جذبات کے محض پرتو اپنے اندر پیدا کرتا ہے یا پیدا ہوتے محسوس کرتا ہے،

ہم شاعر کی ذات کے متعلق خواہ کتنی ہی بلند رائے قائم کرین یہ صاف ظاہر ہے کہ جب وہ جذبات کی نقل اتار کر نقشہ کھینچتا ہے تو اصلی کیفیت اور تعامل کی قوت اور آزادی کے مقابلہ مین اسکی حیثیت محض ایک مشین کے مانند غلامانہ رہجاتی ہے، لہذا شاعر کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ اپنے احساسات کو حتی الوسع ان شخصون کے احساسات کے قریب لیجائے، جنکے احساسات کو وہ الفاظ کا جامہ پہنانا چاہتا ہے، نہین، بلکہ تھوڑے تھوڑے وقفون کیلئے اپنے آپ کو بالکل مغالطہ مین ڈالدے اور اپنے احساسات کو ان کے احساسات سے ملا جلا کر ایک کردے، البتہ اس کیفیت سے حاصل شدہ زبان کی وہ ذرا اس خیال سے ترمیم کردیگا، کہ فوری انبساط پیدا کرنا اُس کا

خاص مقصد ہے، پس یہان وہ اُس اصول کو استعمال مین لائیگا جس پر مین نے بہت زور دیا ہے، یعنی انتخاب[1]۔ اس اصول سے وہ تاثرات کے نفرت انگیز اور ناگوار اجزا کے خارج کرنے کا کام لیگا، وہ محسوس کریگا کہ نیچر کو بلند کرنے یا اس مین سے کچھ جزئیات کم کرنے کی کوئی ضرورت نہین اور جتنی زیادہ محنت سے وہ اس اصول پر کاربند ہوگا، اتنا ہی اسکا اس امر پر زیادہ یقین ہوتا جائیگا، کہ اس کے خیال اور تصور کے بنائے ہوئے الفاظ حقیقت اور واقعیت کی پیدا کردہ زبان سے مقابلہ کی تاب ہرگز نہین لاسکتے،

جن اصحاب کو ان خیالات کی عام روح سے اختلاف نہین وہ شاید یہ کہینگے کہ جب شاعر کو ہر موقع پر حقیقی تاثرات کی پیدا کردہ زبان کے سے الفاظ میسر نہین آسکتے تو اُسے اپنے آپ کو ایک ترجمان کی حیثیت مین سمجھنا مناسب ہوگا، جو ایک قسم کے ناقابل حصول محاسن کی بجائے دوسری قسم کے صنائع و بدائع استعمال کرتا ہے، اور بعض اوقات اپنی لازمی کمزوریون کی تلافی کے لیے اصلیت سے بھی آگے نکل جانے کی کوشش کرتا ہے، مگر یہ کہنا کاہلی اور غیر جوانمردانہ مایوسی کو ترقی دینا ہے، نیز یہ اُن لوگون کا قول ہے جو اُس چیز کے متعلق اظہار رائے کرتے ہین جسکو وہ سمجھتے نہین، جو شاعری کا ذکر اس طرح کرتے ہین جیسے کسی تفریح طبع اور لہو ولعب کے معاملے کا، وہ ہمارے ساتھ ذوقِ شاعری کے متعلق ایسی متانت سے گفتگو کرینگے کہ گویا یہ بھی رقص یا شراب کے مذاق کی طرح ایک بے تعلق چیز ہے.

ارسطو کا یہ قول سننے مین آیا ہے کہ شاعری تمام علوم مسطورہ سے زیادہ فلسفیانہ ہے، یہ بالکل صحیح ہے، شاعری کا مطلوب حقیقت ہے، انفرادی اور مقامی نہین بلکہ عمومی اور عملی، ظاہری شہادت کے بل پر کھڑی ہونیوالی نہین بلکہ تاثرات کے ذریعہ دل کے اندر پہنچنے والی ایسی حقیقت جو اپنی شاہد آپ ہے، جو جس عدالت کے سامنے پیش ہوتی ہے، اسے طاقت اور الوہیت بخشتی ہے اور پھر اس سے خود حاصل کرتی ہے، شاعری انسان اور فطرت کی تصویر ہے، اپنے علم و فن کا مناسب احساس رکھنے والے شاعر کی نسبت ایک سوانح نگار اور مورخ کو راہ دیانت مین حد سے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، شاعر جو لکھتا ہے تو صرف ایک پابندی کے ماتحت، یعنی فوری انبساط پیدا کرنے کی ضرورت اتنا علم رکھنے والے انسان کیلئے جو

[1] یہ حوالہ اس مضمون کے کسی حصے کا نہین، بلکہ اسی سلسلے کے ایک سابق مضمون کا ہے، [illegible]

ایک منطقی طبیعی طبیب جغرافیہ دان یا ہیئت دان کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض ایک انسان کی حیثیت سے توقع کیا جاسکتا ہے مقدار میں زیادہ ہیں
علاوہ ازین کوئی چیز شاعر اور تصویر اشیاء کے درمیان حائل نہیں اس کے اور سوانح نگار یا مورخ کے درمیان ہزارون ہین،

یہ فوری انبساط پیدا کرنے کی مزعومہ طبعی شاعر کے فن کو گرانے والی نہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ متضاد ہے، یہ حسن کائنات
کا اعتراف ہے، ایک ایسا اعتراف جو بالواسطہ مگر بے تصنع ہونے کی وجہ سے نہایت مخلصانہ ہے اور دنیا کو
روحِ محبت کیساتھ نظر ڈالنے والے کے لیے ایک آسان کام۔ مزید بران یہ تکریم ہے۔ انسان کی حقیقی اور بے انتہا
عظمت کی اور مسرت کے اُس اعلیٰ ترین بنیادی اصول کی جس کے طفیل وہ جانتا ہے، محسوس کرتا ہے، جیتا ہے
اور حرکت کرتا ہے، ہمارا کوئی احساس ایسا نہیں جسکا ذریعہ نشر مسرت نہ ہو، اس سے غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کیونکہ
جہان ہم غم کا احساس کرینگے وہان پائین گے کہ یہ احساس بھی مسرت کی مخفی آمیزشون سے پیدا ہو کر پھیلتا ہے،
ہم کوئی علم یعنی خاص حقایق کے تفکر سے حاصل کردہ عام اصول ایسا نہیں رکھتے جسکی پیدایش انبساط سے نہ ہوئی ہو
اور محض انبساط کے بل پر ہمارے اندر موجود نہ ہو، سائنس دان ماہر کیمیا اور عالم ریاضیات کو خواہ کتنی ہی مشکلات
و متفکرات سے مقابلہ کرنا پڑا ہو، اس کو اس امر کا علم اور احساس ہوتا ہے، عالمِ تشریح الابدان اپنے علم کو کتنے ہی گراں
اجزا پر مشتمل کیون نہ پائے، وہ محسوس کرتا ہے، کہ علم ایک مسرت ہے، اور جہان مسرت نہیں وہان علم نہیں،
پس شاعر کیا کرتا ہے؟ وہ خیال کرتا ہے کہ انسان اور اس کے ماحول کے باہمی تعامل سے درد و انبساط کا غیر محدود
اختلاط پیدا ہوتا رہتا ہے، وہ خیال کرتا ہے کہ انسان اپنی فطرت اور عام زندگی مین کچھ قریبی واقفیت، کچھ خاص عقائد
کچھ ادراکات اور کچھ اخذ نتائج کی قوت سے جو عادت کے ذریعہ ہمرنگِ ادراک ہو جاتی ہے، اس پر غور کرتا ہے
وہ خیال کرتا ہے کہ انسان اس خیالات و احساسات کے مخلوط منظر پر نظر ڈالتا ہے، اور ہر جگہ ایسے مظاہر دیکھتا ہے
جو اس کے اندر احساسات کی لہر دوڑا دیتے ہین اور بتقاضائے فطرت ان احساسات کے ساتھ بے اندازہ
مسرت شامل ہوتی ہے،

شاعر جو اپنی توجہ مبذول کرتا ہے تو بالخصوص اسی علم اور معرفت کی طرف جو سب بنی نوع انسان

مین مشترک ہے، اور انہی احساسات کی طرف جنکے اندر ہم روزمرہ کی زندگی کے علاوہ کسی اور انضباط کے
بغیر مسرت حاصل کر سکتے ہین، وہ سمجھتا ہے کہ انسان اور نیچر باہم موافق ہین، اور انسان کا دل نیچر کی حسین
ترین اور دلچسپ ترین صفات کا آئینہ ہے، پس اس احساسِ مسرت کے زیر اثر جو شاعر کے تمام دورانِ مطالعہ
مین ہمراہ رہتا ہے، اور ایسی محبت کے ساتھ جیسی کہ نیچر کے زیر مطالعہ حصون کے ساتھ تکلم کرنے سے سائنسدان
بہ محنت و صرفِ اوقات اپنے اندر پیدا کرتا ہے شاعر عام فطرت کے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے، شاعر اور سائنسدان
دونون کا علم مسرت ہے، لیکن ایک کا علم ہمارے اندر اس طرح جذب ہو جاتا ہے جیسا کہ ہمارے وجود کا ایک
لازمہ ہو اور ہم سے جدا نہ ہونے والا فطری ورثہ دوسرے کا علم ایک شخصی اور ذاتی اکتساب ہے جو بہت دیر سے
حاصل ہوتا ہے اور جو کسی فطری اور بلا واسطہ احساس سے ہم کو ابنائے جنس کے ساتھ منسلک نہین کرتا، سائنسدان
حقیقت کو ایک بعید اور نامعلوم فیض رسان سمجھ کر تلاش کرتا ہے اور اس کے ساتھ تنہائی مین محبت کرتا ہے،
لیکن شاعر ایسی نغمہ سرائی سے، جسمین تمام بنی نوع انسان اس کے ساتھ ہوتے ہین، حقیقت کی موجودگی کا لطف
اس طرح اٹھاتا ہے کہ گویا وہ ایک حاضر دوست اور رفیق ہمدم ہے،

شاعری علوم کا سانس اور روحِ لطیف ہے، یہ ایک اظہارِ محبت ہے اور تمام علومون کا چہرہ، شاعر کے متعلق
ہم بقول شیکسپیر نہایت وثوق سے کہہ سکتے ہین کہ وہ آغاز و انجام پر نظر رکھتا ہے۔ وہ فطرت انسانی کے
تحفظ کی چٹان ہے، وہ محبت و ارتباط کو برقرار رکھنے، محفوظ کرنے اور جابجا پھیلانے والا ہے، باوجود اختلاف
آب و ہوا، زبان و زمین، قوانین و رسوم، باوجود دل سے خود بخود نکل جانیوالے اور بالارادہ فنا کیے ہوے
خیالات کے، شاعر اپنے علم اور جذبات کے زور سے نوع انسان کی دائمی اور عالمگیر وسیع سلطنت کو باہم
پیوستہ کرتا ہے، شاعر کے خیالات کے اسباب ہر جگہ موجود ہین، اگرچہ حواس خمسہ اُسکے خاص رہنما ہین لیکن جہان
کہین اُسے فضائے جذبات مین پر ہلانے کا موقع ملیگا وہ فوراً ادھر چلا جائے گا،

شاعری علم کی ابتدا اور انتہا ہے، یہ اسی طرح غیر فانی ہے جس طرح انسانی دل، اگر اہل سائنس

کی کاوشین بالواسطہ یا بلاواسطہ ہماری حالت اور ہمارے فطری تاثرات مین کوئی قابل ذکر انقلاب پیدا کرینگی تو شاعر جس طرح اب بیدار ہے اُس وقت بھی محوِ خواب نہین رہیگا، وہ نہ صرف عام بلاواسطہ اثرات مین اہل سائنس کے پیچھے ہولیگا، بلکہ ان کے ہمراہ ہوکر خود سائنس کے مشاہدات مین تاثرات اور شعریت بھر دیگا، اگر کبھی ایسا وقت آیا کہ ہم ماہرین کیمیا و نباتیات و معدنیات کے مشاہدات سے پوری طرح مانوس ہوگئے اور جن تعلقات سے ان مختلف علوم پر غور کیا جاتا ہے، ہم درد و انبساط سے متاثر ہونے والی ہستیون کے لیے صریح اور واضح طور پر قابلِ التفات ہوگئے تو ان کے بعید سے بعید انکشافات بھی شاعر کے لیے اجزاے فن ہو جائینگے، اگر کبھی ایسا وقت آیا جب وہ جسکو سائنس کہتے ہین، انسان سے مانوس کرائی جا کر گویا گوشت پوست کا جسم اختیار کرنے کو تیار ہوگئی تو اس قلبِ ہیئت کی امداد کے لیے شاعر اپنی ملکوتی روح پیش کریگا، اور اس طرح پیدا شدہ ہستی کا انسانی کنبے مین ایک عزیز اور حقیقی فرد کی حیثیت سے خیر مقدم کریگا،

پس یہ کبھی فرض نہین کیا جا سکتا کہ جو شخص شاعری کا اتنا بلند معیار رکھتا ہے جتنا کہ مین نے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے، اپنی تصاویر کی صداقت اور پاکیزگی کو عارضی اور اتفاقی تصنعات سے تلف کر دیگا، اور ایسے صنائع و بدائع کے ذریعہ، جنکی ضرورت صریحاً مضمون کے ہیچ و حقیر ہونے کے احساس پر منحصر ہوتی ہے، اپنی تعریف حاصل کرنے کی کوشش کریگا،

خلفاے راشدین

سیر الصحابہ کا حصۂ اول، یہ چارون خلفاء کے ذاتی حالات فضائل اور مذہبی و سیاسی کارنامون اور فتوحات کا آئینہ ہے،

حجم ۷۵۰ صفحے، قیمت ؏ "منیجر"

مدراس مین علم حدیث

از

مولانا فضل اللہ صاحب مدراسی ناظر جامعہ دار السلام عمر آباد ارکاٹ

"ہندوستان مین علم حدیث" کے سلسلہ مین مختلف صوبون سے بعض اہل علم نے میری تحریک پر اور بعض نے از خود اپنے اپنے صوبہ کی بھی مختصر کیفیت لکھکر بھیجی جنمین سے کچھ تحریرین چھپ چکی ہین، کچھ باقی ہین، ان مین سے ایک تحریر آج پیش کیجاتی ہے،

مولانا فضل اللہ صاحب مدراسی، احاطۂ مدراس کے ایک مشہور عالم ہین، دیوبند کے تعلیم یافتہ ہین، مدراس کے اکثر قومی و تعلیمی سیاسی و مذہبی کامون مین شرکت کرتے ہین، چند سال سے روشن کمپنی مدراس کے روشن ضمیر اور مخیر مالکون نے اور خصوصاً شیخ عمر صاحب مرحوم نے جن کا ابھی دو سال ہوے کہ انتقال ہوگیا، آمبور کے قریب ایک پہاڑی کے دامن مین عمر آباد نام ایک مقام آباد کیا اور وہین دار السلام کے نام سے عربی کا ایک مذہبی مدرسہ قائم کیا ہے، مولانا فضل اللہ صاحب آجکل اس مدرسہ کے ناظر و معتمد ہین، ایک سال سے کچھ زیادہ ہوا کہ مولانا شیخ عمر صاحب کے چھوٹے صاحبزادہ شیخ ابراہیم صاحب کے ساتھ دار المصنفین آئے تھے، اسی وقت مولانا نے یہ تحریر لکھکر دی تھی، گو یہ تحریر مختصر ہے، مگر اس دور دراز علاقہ کے متعلق دو سطرین بھی مل جائین تو غنیمت ہین،

"معارف"

شاہ عبد العزیز صاحب کے تلامذہ مین سے ایک بزرگ جو مولینا

سید حیدر علی صاحب محدث ٹونکی کے بھائی تھے، وہ بنگال کے راستہ سے جہاز پر سوار ہوکر مدراس گئے
اس وقت مدراس مین نواب ارکاٹ کا خاندان تھا، اور اسمین بعض اہل علم بھی تھے، چنانچہ اُن مین سے جناب
نواب خان عالم خانصاحب مرحوم نے اُن کے ہاتھ پر بھی بیعت کی، اور استفادہ کیا، اور اُن سے اُن کے دونون
فرزند جناب مولانا نواب خانجہان خانصاحب مرحوم اور جناب مولانا نواب خیرالدین خانصاحب مرحوم اور اُنکے
داماد مولانا مولوی محمد عثمان صاحب محدث مرحوم نے استفادہ اور تلمذ کیا، اور انھین لوگون نے مدراس
کے علاقہ مین شرک و بدعت کے رد اور قرآن و حدیث کی اشاعت کا کام شروع کیا،

نیز خاندان شاہی مین سے ایک اور قابلِ ذکر بزرگ ہین، یعنی جناب مولانا نواب منور جنگ بہادر
جنھون نے درسِ حدیث و ردِ بدعات مین اپنی آخر عمر کا حصہ مکہ معظمہ مین گذارا اور اُن کے نواسہ شمس العلماء
مولانا عبدالرحمان صاحب مدظلہ آج موجود ہین، مولانا عبدالوہاب بن مولوی محمد غوث صاحب محدث
مدراسی پہلے محدث گذرے ہین، جنکی تصنیف مجموعۂ ذیل اللآلی کے ساتھ لکھنؤ مین چھپ گئی ہے، اور جسکا نام
کشف الاحوال فی نقد الرجال ہے، اور جو سیوطی کی موضوعات کی تلاش و تفحص سے حروف تہجی پر مرتب
کیگئی ہے، تصنیف کا سال ۱۲۷۷ھ ہے،

مولانا صبغۃ اللہ صاحب مدراسی فنِ حدیث کے ماہر تھے جن کی اولاد مین سے خاندانِ قضاۃ مدراس
مین اب تک ہے، مولانا قاضی عبید اللہ صاحب مرحوم، اور مولٰنا قاضی محمود صاحب مرحوم اُنھی کی اولاد سے
ہین، ان کی تصانیف سے تبحرِ حدیث صاف نظر آتا ہے، مذہباً شافعی تھے،

مولٰنا سید شاہ محی الدین عبداللطیف صاحب معروف بہ قطب ویلور نے مولانا اسلمی صاحب مدراسی سے علوم دین
کی کتابین پڑھی ہین، اسکے بعد وہ مکہ معظمہ تشریف لیگئے اور وہان جاکر علم حدیث کی سند قراءۃً وسماعاً حضرت شاہ اسحٰق
صاحب دہلوی مہاجر مکہ سے حاصل کی، اور یہان آکر ویلور مین علوم دینیہ کی اشاعت کے لیے مدرسہ لطیفیہ قائم
کیا، جو اب تک باقی ہے،

تلخیص و تبصرہ

موجودہ تمدن کے محاسن و معائب

آج جبکہ سائنس کی حیرتناک ترقی اور آلات اور مشینون کی فراوانی نے ہر طرح کی سہولتین پیدا کرکے
دنیا کو جنت ارضی بنا دیا ہے لیکن خود یورپ مین یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ یہ ترقیان دنیا کے لیے امن و سکون کا
پیام ہے یا ہلاکت و بربادی کا، اور اس سے انسان کی سعادت اور اس کے اطمینان مین اضافہ ہوا یا پریشانی
اور بدبختی مین، چنانچہ اسٹوارٹ چانس اپنی تاریخ مین اس مسئلہ پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "آلات کے
سیلاب نے ہمارے اس موجودہ زمانہ کو ہر قسم کے ساز و سامان اور جدید اقسام کی اشیاء سے بھر دیا ہے لیکن
کیا ہم ان کے ذریعہ سے بہتر حالت مین ہین؟ اس وقت ولایات متحدہ امریکہ مین دس لاکھ گھوڑون
کی طاقت کے آلات موجود ہین، لیکن کیا ان آلات نے امریکنون کے لیے امن، راحت اور آسانی کا دائرہ
زیادہ وسیع کر دیا ہے"

بہت سے اگلے مٹے ہوئے تمدن، زراعت، یا تجارت، یا غلامون کی کثرت، یا جنگی قوت، یا مال
و دولت، یا نظم کی قوت، یا قتل و غارت اور فتح و استعمار کی بنیاد پر قائم ہوے اور مٹنے کے پہلے بعضون نے
ترقی بھی حاصل کی، لیکن ہمارا موجودہ تمدن برق اور اسٹیم کے دس دس لاکھ گھوڑون کی قوت پر قائم ہوا
لیکن اس کے باوجود اس بارہ مین لوگون کے خیالات مختلف ہین کہ اس سے کوئی ایسا نتیجہ برآمد ہوا جو اپنے
نام مین خلعت دوام حاصل کرے، ہنری فورڈ کہتا ہے کہ "ہم ایسے زمانہ مین ہین جو پہلے صرف فلاسفہ اور
شعراء کا خواب و خیال تھا، لیکن اب وہ واقعہ کی صورت مین موجود ہے" جرمن مورخ اسپنگلر کہتا ہے کہ
"مغربی تمدن مائل بہ انحطاط ہے، اور وہ تاریخ کا ایسا قرض ہے جس کی ادائگی کی امید نہین" پروفیسر ہیرڈ

لکھتا ہے کہ موجودہ تمدن وہ گلابی اور روشن تڑکا ہے جو روز روشن سے پہلے نمودار ہوتا ہے، اسپنگلر کا بیان ہے کہ "اس کو اس تمدن مین ہیبتناک تاریکی شب کے سوا کچھ نہین نظر آتا"،

جس طرح اس تمدن کے بارہ مین عقلار اور حکما کے خیالات متضاد ہین، اسی طرح اس کی تائید اور تردید مین بھی دونون قسم کے دلائل پیش کئے جا سکتے ہین جب تم ایک جدید ہل پر نظر ڈالتے ہو جو پچاس کسانون کے برابر کام کرتا ہے، یا زمین کھودنے والے انجن کو دیکھتے ہو جو سیکڑون مزدورون کو محنت شاقہ سے بچا لیتا ہے، یا نیلگون فضا مین چمکدار ہوائی جہاز مصروف پرواز نظر آتا ہے یا ان مصنوعی آلاتِ تنفس کو دیکھتے ہو جو قریب المرگ پھیپھڑون مین از سر نو جان ڈالتے ہین تو زبان سے بے ساختہ تحسین اور آفرین نکل جاتی ہے

لیکن اسی کے ساتھ جب دوسرے پہلو پر نظر پڑتی ہے تو اسکی وحشت ناکی خوف و ہراس مین مبتلا کر دیتی ہے، پانسو ہوائی جہازون کا بیڑا دو گھنٹے کے اندر دنیا کے بڑے سے بڑے تمدن کو تباہ و برباد کر سکتا ہے یا بڑے بڑے صنعتی مرکزون مثلاً پٹرس برگ یا لنکاشائر کی برائیون اور گرد و غبار کو دیکھو تو طبیعت مکدر ہو جاتی ہے یا روئی کے چینی کارخانون مین نوخیز لڑکیون کا رات کے وقت کام کرنے مین مشینون سے سر اڑ جاتی خبر پڑھو تو کیا اثر پڑیگا، بہرحال اس صناعی تمدن مین خوبیان بھی ہین اور برائیان بھی، گو استقصا کے ساتھ ان کا شمار بہت دشوار کام ہے، تاہم بعض واضح اور نمایان خوبیان اور خرابیان حسب ذیل ہین،

خوبیان

(۱) اکثر ترقی یافتہ قومون مین عمر کا اوسط بڑھ گیا ہے، یعنی اب جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کا تخمینی اوسط عمر گذشتہ زمانہ کے بچون سے ۳۰ فی صدی زیادہ ہوتا ہے، اس طرح اس زمانہ کے آدمی گذشتہ زمانہ کے آدمیون سے صحت اور توانائی مین بڑھکر ہوتے ہین؟ (ممکن ہے یہ اعداد و شمار اور تجربہ یورپ مین صحیح ہو لیکن ہندوستان مین اس کے برعکس ہے)

(۲) گذشتہ زمانہ مین انسانی برادری کی معاشرت مین بہت ناہمواری تھی، اعلیٰ معاشرت ایک خاص طبقہ مین محدود تھی، لیکن اب اس کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے، اور معاشرت کا وہ نشیب و فراز ختم ہو کر ایک گونہ

ہمواری پیدا ہو گئی ہے،

(۳) ریلوے لائن، جہاز، موٹر، ہوائی جہاز، ٹیلیفون، ٹیلی گراف، اور لاسلکی کی مختلف انواع نے باہم میل جول اور گفت و شنید مین آسانیان پیدا کر دی ہین، اور اس نے پورے کرۂ ارض مین ایسی اجتماعی اور اقتصادی وحدت پیدا کر دی ہے، جس کی تقسیم نہین ہو سکتی اور یہی شے بین الاقوامی معاملات مین عقلی فیصلہ کا راستہ اور امن و سلامتی کا ذریعہ ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہی وحدت ارضی غالب فریق کا حربہ اور جنگ و جدل کا ذریعہ بھی ہے

(۴) آلات کی وجہ سے کامون مین وقت کی بچت،

(۵) انسان کی عقل سے خرافات کی حکومت کا زوال ہو گیا، آج ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی بجائے اس کے کہ مخفی اسرار کے سامنے خوف و ہراس سے جھک جائے وہ اس کے علل و اسباب دریافت کرتا ہے، (لیکن یہی شے خدا سے بھی اعلانِ جنگ کا ذریعہ بن گئی)،

(۶) موجودہ آلات نے عام طور پر اور موٹر نے خاص طور پر اشخاص اور جماعتون مین اعتماد علی النفس اور قوت کا شعور پیدا کر دیا ہے،

(۷) صنعتِ آلات سازی کے ادارون نے علما، فزیالوجی اور سائیکالوجی کو آمادہ کیا کہ وہ تحقیقات اور امتحان کے ذریعہ سے ایسا نظام مستنبط کرین کہ اس کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ ایک کاریگر بلا بیٹھے اور جھکے ہوئے کتنی دیر تک اپنا کام کر سکتا ہے، لیکن اس علمی تحقیقات کے باوجود جیسا کہ اس تمدن کی برائیون مین آگے آئیگا، اس زمانہ کے مزدور پر قبل از وقت ضعف و اضمحلال طاری ہو جاتا ہے،

(۸) پہلے زمین کی ملکیت اور شرفار کے امتیازات کی وجہ سے مختلف طبقات مین جو فرق مراتب تھا وہ ان آلات نے اٹھا دیا ہے، لیکن اس کے باوجود آج بھی امریکہ مین ترقی یافتہ حبشیون کے ساتھ جو کچھ کیا جاتا ہے وہ معلوم ہے،

(۹) اس مین شک نہین کہ نظری علوم عملی علوم کا سرچشمہ ہین، لیکن پھر بھی مسلم ہے کہ صنعتی ضروریات

وبحث کے دائرہ کی وسعت اور علوم نظری کی ترقی خصوصاً کیمیا اور طبعیات مین بڑا ذریعہ ہین اور اس سے انسانی معرفت کا خزانہ زیادہ وسیع ہوگیا،

(۱۰) اجتماعی فوائد کا ایک کھلا ہوا فائدہ سنگدلی اور قساوت قلب کے بجاے لطف و ترحم کا پیدا ہو جانا ہے، مثلاً پہلے چین کے قحط پر کون ترس کھاتا تھا، لیکن آج ٹیلیگراف، مصور آلات اور ریڈیو نے ہم مین لطف و مہربانی کے جذبات پیدا کر دیئے ہین، جہان اس قسم کے واقعات رونما ہوتے ہین انکی صحیح حالت کا نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے اور اس سے ایک طرف ہماری آنکھین پرنم ہو جاتی ہین اور دوسری طرف لطف و ترحم اور امداد و اعانت کا ہاتھ بڑھ جاتا ہے؛

گو یہ خوبیان تنہا آلات کی پیدا کی ہوئی نہین ہین لیکن ان کا ظہور اور ان کی تکمیل اسی عہد مین ہوئی جسمین آلی قوت کا دائرہ زیادہ وسیع ہوا اور دونون مین گہرا تعلق ہے،

برائیان (۱) آلات کے ذریعہ سے جنگون مین خطرات بہت بڑھ گئے اور یہ شر روز افزون ترقی پر ہے،

(۲) ان عناصر مین جنسے نظام صناعی مرکب ہے، رشک و حسد کی زیادتی اگر آج ایک مزدور پارٹی اسٹرائک کر دے تو اس کے اثرات سارے نظام صناعی مین بخار کی طرح سرایت کر جائینگے، صنعت کی ترقی اور اس کے اجتماعی نتائج سے ناواقفیت دونون مین بعد پیدا ہو رہا ہے، اور جب دونون کی خلیج اتنی وسیع ہو جائے گی کہ اس کا عبور دشوار ہو جائیگا، تو تمدن کی عمارت مین شگاف پڑ جائیگا،

(۳) زمین کے معدنی خزانون کا کفایت شعاری اور بچت کا خیال کیے بغیر سرعت کیساتھ نکالے جانا

(۴) مزدور مسلسل متشابہ روز اور سالہا سال ایک ہی کام کرتے کرتے اکتا جاتے ہین اور ان کی عقل و فہم اور دوسرے دماغی قوی عدم استعمال کی وجہ سے معطل ہو جاتے ہین،

(۵) ایک فنی مہارت نے علم ریاضت اور فن کی مقدس تثلیث کو پارہ پارہ کر دیا ہے، جو علم الحیات کی رو سے ناگزیر ہین،

(۶) بجاے اس کے کہ لوگ سرور و نشاط ان کے اصل منبع سے حاصل کرین، ریڈیو فونوگراف اور متحرک تصاویر کی نقالی نے حصول طرب کے لیے ان کو اپنی طرف مائل کر لیا ہے، متحرک تصاویر ایکٹنگ کی اور ریڈیو اور فونوگراف موسیقی کے جلسون کی نقالی کرتے ہین، لیکن یہ نقالی محض کافی نہین ہے اور لوگ فنون جمیلہ کی مشق کو چھوڑ کر اسی پر قناعت کر دیتے ہین، ان کا نتیجہ یہ نکلیگا کہ ایک زمانہ مین اصلی فنون کا خاتمہ ہو جائے گا،

(۷) ایک فنی مہارت نے دولت کی قیمت بہت بڑھا دی ہے اور لوگون کا یہ حال ہوگیا ہے کہ وہ حقیقی اور فانی دولت مین امتیاز نہین کر سکتے،

(۸) جدید آلات کی ایجاد اور ان کا استعمال بہت تیزی سے ہو رہا ہے اور اسکی وجہ سے قبل اسکے نظام اجتماعی وسیع ہو کر مزدورون کے لیے دوسرے کام پیدا کرے انکی بڑی تعداد کے لیے کام کا دروازہ بند ہو گیا ہے اور بیکار مزدورون کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اور اس بیکاری سے طرح طرح کے فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہین،

(۹) جدید صنعتین مزدورونکی قوت عمل اور نشاط و چستی اس سے بہت زیادہ صرف کرتی ہین، جتنی قدیم صنعتین صرف کرتی تھین اس لیے اس زمانہ کا مزدور قبل از وقت کمزور اور ناکارہ ہو جاتا ہے اور ان بیکارون کی معیشت کا مسئلہ اقتصادی اور اجتماعی مشکلات پیدا کرتا ہے،

(۱۰) جدید آلات اور ان کے کامون کی تیزی لوگون کی ضروریات سے بہت فاضل مال بناتی ہین اور پھر اس مال کی نکاسی اور خریدارون کو مائل کرنے کے لیے عجیب و غریب وسائل اختیار کیے جاتے ہین، جنسے بیچارے خریدار مبہوت ہو جاتے ہین، مثلاً تمباکو کی کمپنیان، چاکلیٹ کی تجارت کے استیصال مین ہر ممکن وسائل اختیار کرتی ہین، اور مٹھائی کی کمپنیان تمباکو کے خلاف جہاد کرتی ہین اور لوگون کو اسکے نقصانات بتا کر اسکی خریداری سے روکتی ہین،

(۱۱) آلات کی زیادتی اور اسکے استعمال کی کثرت نے ناگہانی صدمات کا اوسط بہت بڑھادیا ہے،

(۱۲) اس عہد مشینی نے یہ اعتقاد عام طور پر پھیلادیا ہے کہ صنعت وحرفت کی قیمت زراعت سے زیادہ ہے،

(۱۳) بڑے بڑے شہرون کے اژدحام شور وشغب گرد وغبار اور دھوئین سے انسانی صحت کی بربادی،

ان دونون پہلوؤن کے ساتھ ایک تیسرا پہلو بھی ہے، جسمین برائیان اور خوبیان اس طرح ملی ہوئی ہین کہ ترجیح مشکل ہے،

مخلوط خوبیان اور برائیان

(۱) آبادی کی افزایش اور ان کے نقل مکان کی کثرت اس زمانہ مین زمین کی آبادی دونی ہوگئی ہے اور دیہات کو چھوڑکر شہر کی اقامت کا شوق زیادہ بڑھتا جاتا ہے،

(۲) دور آلات نے یہ ناممکن بنادیا ہے کہ کوئی شہر اپنی ضروریات کی کفالت خود کرسکے آج امریکہ مین کوئی ایسا شہر نہین ملسکتا جو تنہا اپنی مصنوعات کے ذریعہ سے اپنی آبادی کی ضروریات پوری کرسکتا ہو، اگر اس مین صحیح راستہ اور اعتدال اختیار کیا جاے تو یہ جدید نظام ایک نعمت ہے، لیکن اگر اس مین اختلال پیدا ہو تو بہت بڑا شر پہنچیگا،

(۳) جدید آلات نے قدیم کامون کی مہارت سلب کرکے اسکی جگہ جدید مہارت پیدا کردی ہے مثلاً موٹر ہوائی جہاز اور ریل کی ڈرائیوری کی مہارت تمدن کے لیے زیادہ مفید ہے،

(۴) آلات نے گھر کی منتظمہ سے اس کے گھریلو منصبی فرائض کی مہارت سلب کرکے برج کھیلنے کپڑا بیٹ خریدنے اور کلبون مین آنے جانے کا کمال پیدا کردیا ہے، یہ اس دور کا بہت بڑا خسارہ ہے البتہ اس سے اتنا فائدہ بھی حاصل ہوا کہ اس نے مدتون کی اقتصادی آزادی اور مردون کیساتھ مساوات کی بنیاد رکھدی،

(۵) اس دور قوت نے ان تمام فطری اور خلقی قوانین کو پامال کردیا ہے، جنپر ازدواجی، جنسی دینی اور اس قسم کے تمام خاندانی نظام کا قیام تھا، ارباب فکر اسکے فوائد اور نقصانات کے بارہ مین مختلف آرا ئے رکھتے ہین،

(۶) آلات نے فنون قدیمہ کے زمانہ کو مٹادیا لیکن اسکی جگہ ایک جدید فنی عنصر بن رہا ہے، اور آج اسکی ممتاز نشانیان موجود ہین،

(۷) آلات نے بعض مصنوعات کی قیمت گرادی، لیکن اسی کے ساتھ اور مصنوعات کو ترقی دی، آج مصنوعات کا بڑا حصہ بغیر آلات کی مدد کے نہین بن سکتا،

(۸) ازمنۂ وسطی کا مزدور و کاریگر تجربہ پر اعتماد کرتا تھا، لیکن اب لکھے ہوے ضوابط کو علمی بنیاد قرار دیکر اس پر اعتماد کا میلان بڑھ رہا ہے، گو یہ ہم کو حقیقت سے دور کردیتا ہے لیکن ہمارے سامنے میدان عمل کتنا وسیع کردیتا ہے،

(۹) اس زمانہ مین جب مزدور اپنا جھونپڑا چھوڑکر کسی کارخانہ مین ملازمت کے لیے نکلتا ہے تو وہ اپنی مستقل ہستی کھودیتا ہے وہ اپنے اوزار نہین رکھتا کہ اسکو کارخانہ دیتا ہے، اس صورت مین اگر کارخانہ دار اس کے کام پر توجہ نہین کرتا اور اس کی نگاہ مین اسکی وقعت نہین ہوتی تو مزدور اس سے کہین بدحال رہتا ہے کہ وہ اپنی مستقل ہستی قائم رکھتا اور اگر کارخانہ دار اس کے کام سے مطمئن ہو تو کاریگر کی حالت بھی بہتر ہوتی ہے، اور صنعت بھی ترقی کرتی ہے،

"ع م"

اخبارِ علمیہ

ہندوستان کا قرضہ

ہندوستان کو ہمیشہ لاتعداد دولت کا مرکز بتایا گیا ہے، اس کے ۳۲ کروڑ باشندون کی روزانہ اوسط آمدنی کا جو سات پیسون سے زیادہ نہین ہے، متعدد بار تذکرہ کیا جا چکا ہے، آج ہم صرف اُس قرضہ کے اعداد پیش کرتے ہین جو ہندوستان کی حکومت کے ذمہ ہے، اور جسکے سود مین ہندوستانی خزانہ کا لاکھون روپیہ سالانہ صرف کیا جاتا ہے،

۳۱ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء تک حکومتِ ہند کے ذمہ ہندوستان مین ۶۰۴۱۱۰۰۰۰۰ روپیہ اور انگلستان مین ۴۰۰۰۰ ۳۵۲۵ پونڈ (یعنی ۴۷۰۰۵۰۰۰۰۰ روپیہ) کل ۱۰۷۴۱۶۰۰۰۰۰ روپیہ قرض تھا، ہندوستان مین جو قرضہ حکومت کے ذمہ ہے اُس کا بیشتر ہندوستان کے باشندون کا نہین بلکہ غیر ملکی سرمایہ دارون کا ہے، لیکن سب سے زیادہ افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ یہ قرضہ ہر سال کم ہونے کے بجائے برابر بڑھ رہا ہے، گذشتہ سات سال کے اعداد یہ ہین:-

سنہ	روپیہ	سنہ	روپیہ
۱۹۲۳	۸۸۱۷۴۰۰۰۰	۱۹۲۴	۹۱۹۰۰۰۰۰۰
۱۹۲۵	۹۶۰۰۳۰۰۰۰۰	۱۹۲۶	۹۹۶۳۶۰۰۰۰۰
۱۹۲۷	۱۰۰۶۱۹۰۰۰۰۰	۱۹۲۸	۱۰۲۶۳۷۰۰۰۰۰
۱۹۲۹	۱۰۷۴۱۶۰۰۰۰۰		

(م)

شہد کی مکھی اور تیتریان

امریکہ کے استادِ حیاتیات نے شہد کی مکھی اور تیتریون کے حسِ ذائقہ کے متعلق حال مین اپنی تحقیقات کا نتیجہ شائع کیا ہے، اس کا بیان ہے کہ شہد کی مکھی اپنے "دندانِ شیرین" سے شیرینی، ترشی، نمکینی اور تلخی کو بہت آسانی سے دریافت کر لیتی ہے، اور اسکا حسِ ذائقہ اتنا زبردست ہے کہ وہ شیرینی انسان سے ۸ گنا زیادہ درجہ کی چکھ لیتی ہے، ترشی و نمکینی مین تقریباً انسان کے برابر ہے، لیکن تلخی مین وہ اتنی کڑوی چیزین چکھ لیتی ہے، جنکو شاید کوئی انسان زبان پر رکھنے کی بھی ہمت نہ کریگا، تیتریان، منھ کی جگہ اپنے پیر کی رگون سے ذائقہ حاصل کرتی ہین، اور ان کا یہ حس ان کے پیر ہی مین ہے، (سا)

مٹے ہوئے حروف کا پڑھنا

ڈاناکے پروفیسر جی، آر، گوگل نے عکس ریز کا ایک اور استعمال دریافت کیا ہے، پہلے زمانہ مین چونکہ کاغذ اور اسبابِ کتابت کی کمی تھی، اسلیے بعض اشخاص ایسی تحریرون کو جنکو وہ غیر ضروری سمجھتے تھے کاغذون سے مٹا دیتے اور انکی جگہ نئی باتین لکھدیتے تھے، اب پروفیسر موصوف نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ جسکی وجہ سے وہ مٹے ہوے حروف منور طریقہ سے صفحہ قرطاس پر صاف نظر آئین گے اور ہر شخص آسانی سے ان عبارتون کو جو صدیون پہلے مٹائی جا چکی ہین باسانی پڑھ سکیگا، اس ایجاد مین یہ بھی فائدہ ہے کہ اس وقت تک بعض جگہ بعض کیمیائی مرکبات سے جو ایسی عبارتون کو پڑھنے کی کوشش کیگئی تو وہ کاغذ ہی خراب ہو گیا، لیکن اس ترکیب سے اصل چیز پر کوئی اثر نہین پڑیگا، (سا)

موٹر کے کیمیائی اجزا

اکثر لوگون کا یہ خیال ہوگا کہ موٹر کار لوہے، تانبے، پیتل، لکڑی، کپڑے وغیرہ کی ایک خاص ترتیب و شکل کے مجموعے کا نام ہے، لیکن اس سے کتنے لوگ واقف ہین کہ اسکی تیاری مین کم از کم سو قسم کے کیمیائی مرکبات شامل ہین، ان مین سے بعض مرکبات تو دائمی طور سے گاڑی کے بعض حصون

کے اجزا بنجاتے ہین اور بعض اکی ساخت کے زمانہ تک اس کا ساتھ دیتے ہین،

(سا)

نیند اور حرکتِ قلب

ایک نئے قسم کے آلہ کی ایجاد نے حالتِ خواب مین حرکتِ قلب کی تیزی اور رفتار کی دریافت کو آسان تر بنا دیا ہے، اس کا نام حرکتِ قلب پیما (CARDIOTACHOMETER) ہے، اس کو دل کے پاس لگا دیا جاتا ہے، اس سے انسان پر کوئی خاص اثر نہین پڑتا اور وہ بدستور اپنے مشاغل مین مصروف رہتا ہے،

اس آلہ سے تجربات دریافت ہوئی ہے کہ حالتِ خواب اور حالتِ بیداری کی حرکتِ قلب کی رفتار مین بہت بڑا فرق ہے، حالتِ بیداری کی معمولی سی معمولی جنبش بھی رفتار کو تیز کر دیتی ہے، اعداد و شمار سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ اگر ایک شخص کی حرکتِ قلب کی رفتار نیند مین ۵۵ ہے تو بیداری کی حالت مین وہ سو تک پہنچ جاتی ہے، اسی سلسلہ مین مختلف امراض کے بیمارون کی حرکتِ قلب کی رفتار کا بھی تجربہ کیا گیا ہے؛

(۱۱)

محرک تصاویر اور ان کا قد

اس وقت تک جتنی محرک تصاویر دکھائی جاتی تھین، وہ انسانی قد سے چھوٹی ہوتی تھین، لیکن اب اس صنعت کے مرکز امریکہ نے اس سلسلہ مین ایک اور قدم بڑھایا ہے، اور اب اس نے ایسی تصاویر بنانی شروع کی ہین، جو بالکل انسانی قد و ضخامت کے مطابق ہوتی ہین، اسی غرض سے تصویر خانون کے پردون کو بھی بہت بڑا کرنا پڑا ہے، اگر یہ تجربہ کامیاب ثابت ہو گیا تو ہزارون فلم اور سیکڑون تصویر خانے بیکار ہو جائین گے کہ موجودہ آلات سے اتنی بڑی تصاویر نہین بنائی جا سکتین،

ہاتھی کا قبرستان

تمام دنیا مین عام طور سے یہ بات مشہور ہے کہ جب ہاتھی رونے لگتا ہے تو وہ ایک ایسی جگہ

جاتا ہے، جہان انسان کا مشکل ہی سے گذر ہو سکتا ہے، اور وہین اپنے آباو اجداد کی ہڈیون کے پاس اپنے کو بھی سپردِ خاک کر دیتا ہے، لیکن اب سر ولیم گورس نے جو یوگنڈا (افریقہ) کی برطانوی نوآبادی کے گورنر تھے اپنے طویل قیام و تحقیقات کے تجربون کو شائع کر کے اس خیال کی تردید کی کوشش کی ہے، ان کا بیان ہے کہ اس علاقہ مین ہر سال تقریبًا دو ہزار ہاتھی فطری موت مرتے ہین، لیکن ان کے طویل زمانۂ قیام مین ان کو بجز دو ہاتھیون کی لاش کے ایک کی بھی ہڈی وغیرہ کا پتہ نہ چلا، دوسرے تمام علاقہ مین کوئی بھی ایسی جگہ نہین ہے جہان اس قسم کا کوئی قبرستان واقع ہو، پس سوال یہ ہے کہ آخر یہ دو ہزار ہاتھی سالانہ کہان غائب ہو جاتے ہین، ان کا خیال ہے کہ اس علاقہ کے گہرے دریاؤن مین ان مردہ ہاتھیون کی ہڈیان مل سکتی ہین، بیمار ہاتھی دستور کے مطابق روزانہ پانی پینے اور نہانے آتا ہے تاآنکہ ایک روز اپنے مین اتنی طاقت نہین پاتا کہ وہ دریا سے باہر نکل سکے اور وہین مر کر رہ جاتا ہے،

دق کا نیا علاج

ایک معمولی کان کن امتوڈ ورنچ نے حال ہی مین ایک عجیب و غریب علاج دریافت کیا ہے، پہلے وہ مریض کو خوب ٹھنڈی سانس لینے کے لیے کہتا ہے، اور اس طرح دق کے جرم کو متحرک کر دیتا ہے، اور پھر گرم سانس کے ذریعہ ان متحرک جراثیم کو ہلاک کر دیتا ہے، اس ترکیب کے بعد وہ بعض کیمیائی مرکبات اور نباتات سے ایک دوا بنا کر مریض کو پلاتا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے اپنے علاوہ ۷۰۰ آدمیون کو اچھا کیا ہے، اس کے علاج کے تمام اخراجات صرف ، پونڈ کی رقم تک محدود ہین، ٹرسٹی کی طبی مجلس نے اسے وہان کے شفاخانہ کے دق کے مریضون پر تجربہ کرنے کی اجازت بھی دے دی ہے،

"ن"

ادبیات

گلکدہ

ازجناب محمد ہادی صاحب عزیز لکہنوی

یہ دل کا داغ کسی دن اگر عیان ہوتا | وہ آفتاب تھا جو تاج آسمان ہوتا
بنائے مفت مین جانون کا کیون زیان ہوتا | جو امتحان کے طریقہ سے امتحان ہوتا
حقیقتِ دلِ زخمی بیان نہ کرسکتا | ہزار سال گلستان جو ترجمان ہوتا
ادائے حُسن کو جی بھر کے دیکھ تو لیتے | یہی نہ جان کا اپنی فقط زیان ہوتا
تمھارے ظلم اٹھانے کا جو رہا خوگر | وہ دل ستمزدہ دورِ آسمان ہوتا
زمین خلاف، فلک منحرف، دہ چین بجبین | شکستہ دل تری تربت کا کیا نشان ہوتا
بلا سے موجۂ طوفان سے مجھے ڈبو دیتا | مگر معلم دریاے بیکران ہوتا
وہ سوزِ عشق جہنم شرار ہے جسکا | نہان کئے سے ہمارے بھلا نہان ہوتا

شبِ فراق چراغان کی تھی یہی صورت
عزیز ہر سرِ مو چشم خونفشان ہوتا

کیفِ سخن،

ازجناب کیف مرادآبادی،

کیسا پرلطف تماشا نظر آتا ہے مجھے | شیشۂ دل مین رُخ اُس کا نظر آتا ہی مجھے

ہر طرف طرفہ تماشا نظر آتا ہے مجھے | یعنی عالم مین وہ تنہا نظر آتا ہے مجھے
دل اگر جوہر ہستی ہے تو غم جوہر دل | غم مین دل، دل مین غم اسکا نظر آتا ہی مجھے
میری نظرون کو یہ کیا کردیا عرفان جنون | صحرا۔ ہر ذرہ صحرا نظر آتا ہے مجھے
دل کی ہر سعی ہی برباد، کہ مقصد ہی نہین | یہ مآلِ غم دنیا نظر آتا ہے مجھے
رنگِ عالم مری نظرون کو جو دیتا ہی فریب | اس مین کچھ تیرا اشارا نظر آتا ہے مجھے
دیکھنا اب مری ہستی کے تماشون کی بہار | کہ وہ خود محوِ تماشا نظر آتا ہے مجھے
مجھپہ طعنے ہین، کہ حیران ہین نگاہین میری | جلوہ خود، جلوے کا پردا نظر آتا ہی مجھے
میرے ہر سانس سے اب اُس کی صدا آتی ہے | آج انجامِ تمنا نظر آتا ہے مجھے
بند کر دی ہین نگاہین مری آئینون مین | چشمِ حیرت ہے جو ذرہ نظر آتا ہی مجھے
سر مرا لیکے کوئی آپ جھکا دیتا ہے | جب ترا نقشِ کفِ پا نظر آتا ہی مجھے
سازِ ہستی کو یہ کیا کردیا نظرون نے تری | کہ ہر اک تار تڑپتا نظر آتا ہے مجھے

الفاروقؓ

یعنی حضرت فاروقؓ کی لائف اور طرزِ حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق و شام ومصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی علمی تعلیم کا شاندار منظر، مولنا شبلیؒ کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اسکا نیا اڈیشن تیار کرایا ہی جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہی، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیاے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹیل ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت للعہ

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

روح القرآن، مؤلفہ مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے ایل ایل بی وکیل گوڑگانوہ حجم ۲۸۰ صفحے، قیمت عہ پتہ:۔ جناب محمد قمر صاحب گوڑگانوہ پنجاب،

یہ مصنف کے صبح کے تلاوت قرآن کا ایک مفید ثمرہ ہے، اسلیے ان کے نزدیک اس کا دلپسند نام "قرآنی ناشتہ" (؟) قرار پایا، لیکن انھون نے اپنے دادا مرحوم کی وصیت کے مطابق اس کو روح القرآن کے نام سے موسوم کیا، اور اس کا عرف "قرآنی ناشتہ" قرار دیا ہے،

یہ "قرآنی ناشتہ" قرآن مجید کی ایک مرتب و مدون فہرست ہے جس سے مبتدیون کو آغاز تلاوت مین بیش قیمت فوائد حاصل ہو سکتے ہین، کتاب کا آغاز "رموز وقف" کی تشریح سے ہوتا ہے، پھر مضامین قرآن کی ایک مرتب فہرست تیار کیگئی ہے، تمام مضامین کو اولاً مختلف ابواب مثلاً "اصلاح عقائد" "مسائل" "حقوق النسا" "تمدن و معاشرت" "دیگر اقوام سے معاملہ" "انسان" "نظام شمسی" "متفرق" "تاریخ" "پیغمبر" "حضرت محمد صلعم" مین تقسیم کیا گیا ہے، پھر ان ابواب کے ماتحت مختلف و متنوع عنوانات قائم کرکے ہر ایک عنوان کے نیچے مختلف سرخیون کے ساتھ مختلف آیتون کے حوالے درج کیے گئے ہین، فہرست ان گوناگون خصوصیات کے لحاظ سے نہایت قابل قدر، اور مصنف کے لیے مستحق مبارکباد ہے، لیکن اسکی ترتیب و تدوین مین کوئی اصولی نقطہ نظر پیش نہین رہا ہے، اسلیے کوئی جامعیت پیدا نہین ہو سکی ہے، اور نیز اسکی موجودہ ترتیب بھی بہت کچھ تغیر و تبدل کی محتاج ہے، لیکن پھر بھی یہ نقش اول ہے، اور اسی لیے ہماری ستایش کا صحیح مستحق ہے،

اس کے بعد تیسری فہرست "لغات قرآن" ہے جو سورۂ بقر سے سورۂ ناس پر اسی ترتیب سے ختم ہوتی ہے، یہ فہرست مبتدیون کے لیے کارآمد ہوگی، اس کے بعد چوتھی فہرست "خواص و مطالب و شانہاے نزول" ہے جس مین پہلے ہر سورہ کے "خواص و معمول" پھر مطالب کا خلاصہ اور آخر مین سورہ کے شان نزول کی تفصیل ہے اور سب سے آخر مین حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کے قول کے مطابق قرآن مجید مین تمام حروف تہجی کے استعمال کی تعداد، پھر "تعداد علامات وغیرہ" یعنی تعداد سجدۂ اتفاقی و اختلافی، اور تعداد سورہ و رکوع وغیرہ درج ہین اور اسی پر کتاب ختم ہو جاتی ہے،

ایشیا، مؤلفہ جناب ابرار حسین صاحب قادری ایم اے ال ٹی لکچرر تاریخ و جغرافیہ انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڈھ حجم ۲۱۲ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت عہ پتہ:۔ نظامی پریس بک ایجنسی بدایون،

یہ براعظم ایشیا کا جغرافیہ جدید طرز تالیف پر مرتب ہوا ہے، کتاب حسب ذیل ابواب پر منقسم ہے: "ایشیا کی مختصر حالت اور بعض مشہور خصوصیات" "دنیا کی طبعی تقسیم اور اسکے اصولون کی وضاحت، ایشیا کے طبعی خطے" اس کے بعد پانچ ابواب مین جغرافی تقسیم کے لحاظ سے ایشیا کے تمام ممالک کو مختلف ابواب مین تقسیم کرکے ہر ملک کے طبعی، سیاسی، اور اقتصادی حالات بتاے گئے ہین، پھر نوین باب سے ضمیمے اور تتمے شروع ہوتے ہین جن کے ذیل مین پروفیسر ہربرٹ سن کے اصول کے مطابق دنیا کے طبعی خطون کی تقسیم، شریف ادریسی کے نقشہ سے ایشیا کے نقشہ کی ترتیب و تطابق، اور پھر ایشیائی ممالک کے درمیان ذرائع آمد و رفت، ایشیائی سکے، ایشیا کا گوشوارۂ تجارت، اور ایشیا کی جدول عرض البلد و طول البلد نقل کیے گئے ہین،

کتاب پوری محنت و جانفشانی سے مرتب کیگئی ہے، اسلیے یہ مصنف کی لائق پذیرائی خدمت ہے، البتہ اس کا فیصلہ کسی قدر دشوار ہے کہ یہ خدمت صرف علمی حیثیت سے قابل قدر ہے یا "تعلیمی" حیثیت سے بھی،

کتاب مین زبان اور املا کی غلطیان پائی جاتی ہین، مثلاً ص ۲ مین "مذہبی پیشوایان کا"..... پھر ص ۳ مین صرف تین سطر کے اندر لفظ راس کو کہین مذکر اور کہین مونث، اسی طرح ایک جگہ ہے "ان کا مولود و مدفن" یعنی مولد و مدفن، اسی طرح مقامات کے نام کا املا بھی جابجا صحیح نہین، مثلاً اناطولیہ کو "اناتولیا" یا قونیہ کو "کونیا"، اور سب سے پرلطف عرب کے صنعاء کو "سنا" لکھنا ہے، اسی طرح قوم عبرانی کو ہر جگہ "ابرانی" لکھا گیا ہے

لیکن اس کے باوجود کتاب اپنی ترتیب خصوصاً سیاسی معلومات کے لحاظ سے قابل قدر ہے، اور اردو تصنیفات مین ایک اچھا اضافہ ہے،

انوار العیون فی اسرار المکنون، یہ رسالہ حضرت مخدوم شاہ احمد عبد الحق صاحب توشہ قدس اللہ سرہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسکو حضرت مولانا عبد القدوس گنگوہی نے حضرت مخدوم کی وفات کے تقریباً نصف صدی بعد نوین صدی ہجری مین مرتب کیا تھا اسلیے یہ مجموعہ آپ کے حالات مین سب سے قدیم اور مستند کتاب ہے، اسمین حضرت مخدوم کے بچپن سے لیکر وفات تک کے جستہ جستہ حالات ہین، ابتدائی تعلیم منازل سلوک مین مجاہدات، ریاضتین، وجد و حال، فقر و استغنا، زہد و ورع اور خوارق عادات وغیرہ ضمناً کہین کہین بعض صوفیانہ مسائل کی تشریح بھی آ گئی ہے، ان واقعات کے علاوہ تاریخی حیثیت سے بھی کار آمد ہے، حضرت مخدوم کا زمانہ آٹھوین صدی کا اول اور آخری صدی کا آخر ہے، یہ وہ زمانہ ہو کہ دلی مین تغلقون کا چراغ گل ہو رہا تھا اور جونپور مین شاہان شرقی کا اوج کمال تھا، انھین ایام مین حضرت مخدوم نے بہار سے پنجاب تک کی سیاحت کی، اس سلسلہ مین جابجا اس عہد کے بعض علما اور صوفیہ کے حالات بھی ملتے ہین، خصوصاً جونپور کے صلحا، اور اعیان کا تذکرہ نسبتہً زیادہ ہے، اس رسالہ کا ایک ترجمہ اصل فارسی کیساتھ عرصہ ہوا شائع ہوا تھا لیکن قدیم طرز کی وجہ سے زیادہ مفید نہ تھا، زیر تبصرہ ترجمہ حکیم شاہ عزیز احمد صاحب نے متن فارسی سے علیحدہ شائع کیا ہے، اور بہ نسبت گذشتہ ترجمہ کے زیادہ صاف و سلیس ہے، اس قسم کے لٹریچر سے دلچسپی رکھنے والون کے لیے عام طور پر اور وابستگان سلسلہ چشتیہ صابریہ کے لیے خاص طور پر دلچسپ ہے، ضخامت ۹۶ صفحات، کاغذ سپید، کتابت و طباعت روشن، البتہ مطبعی اغلاط بہت ہین، قیمت ۱۲؍ حکیم شاہ عزیز احمد صاحب درگاہ شریف ردولی ضلع بارہ بنکی سے طلب کیجئے،

"ر"

جلد بست و چہارم | ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۹ء | عدد ۶

مضامین